

حسب طوایل نمبر ۲۶۵

شمس الامام

ماہنامہ

بھیرہ (مغربی پاکستان)

مرتبہ

سید سیاح الدین کاکا خیل

سالانہ چیدہ

فی پرچہ ۴

شمس الاسلام

مرتبہ: سید سلیم الدین کا کاخیل

ہر انگریزی ماہ کی
پانچ تاریخ
کو شائع ہوتا ہے

جلد ۳

شوال و ذیقعد ۱۳۷۸ھ مطابق مئی جون ۱۹۵۹ء

مناہر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نعت سرور عالم ۴	از جناب مولوی محمد اقبال خاں سہیل مرحوم	۳
۲	شذرات	ادارہ	۴
۳	نیاطوفان اور اس کا مقابلہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۹
۴	سیرت نبوی میں مکارم اخلاق اور ان کی اہمیت	مولوی عبداللہ صاحب جاوید ہاشمی متعلم دارالعلوم دیوبند	۱۷
۵	اجتماعی زندگی میں انفرادی حصہ	مصطفیٰ سباعی دمشق	۲۳
۶	اسلامی سیرت و کردار کی بنیادی خصوصیات		۲۵

سُرخ نشان

دائرہ میں سُرخ نشان چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔ جس کے زائد اخراجات سے پیچھے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را وی پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (غلام حسین منیر رسالہ)

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پریس پبلشر سنائی برقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوا

نعت سرور عالم ﷺ

(از جناب مولوی اقبال احمد خان سہیل مرحوم)

احمد مرسل، فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 جسم مزکی، روح مصور، قلب مجلی، نور منقظ
 طینت جس کی سب سے مٹھہ نبوت جس کی سب سے مؤخر
 جس کی ہر اول فوج سلیمان جس کے منادی موسیٰ عمران
 جس کا نام اچھالے داور آپ رفعا لک فرما کر
 جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں سہرتے تھے ممکن
 علم لدنی، شان کریمی، خلق خلیلی، نطق کلیمی
 اوج شرف کا بدر و ہی ہے بزم مرسل کا صد و ہی ہے
 صدر ائم، سلطان مدینہ وہ جس کے کف پاک سپینہ
 کفر کی ظلمت جس نے مٹا دی، دین کی دولت جس نے لٹا دی
 بزمِ مل تھی نظم سے خالی، بکھرے تھے حق کے لالی
 وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
 فرد و جماعت، امر اطاعت، کسب و کفایت، عفو و شجاعت
 ربط و تصادم، طوع و تحکم، فقر و تنعم، عدل و ترحم
 ارض و سماں آئیہ رحمت، روز جزا میں سایہ رحمت
 منظر اول، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
 حسن سراپا، خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
 خلقت جس کی سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم
 بزمِ تجلی جس کا خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
 حق نے کئے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم
 زبدِ سیما عفت مریم صلی اللہ علیہ وسلم
 بدرِ منور، صدرِ منور صلی اللہ علیہ وسلم
 گلِ کدہ فردوس کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم
 لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اس نے کئے سب کے منظم صلی اللہ علیہ وسلم
 شرک کی محفل کردی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 حل کئے جو اسرار تھے مبہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 سب کے حدود بتائے باہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اس کے لوئے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی تھیں برائے

اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

شذرات

رسالہ شمس الاسلام ایک تعلیمی ادارے کا ترجمان ہے۔ اور اس لئے ہم خصوصیت کے ساتھ دینی نظام تعلیم و تربیت اور نصاب مدارس عربیہ کے سلسلہ میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کرتے ہیں۔ اور مدارس کے ہمتیمن دارا کین اور اساتذہ کرام کو بعض اہم امور کی طرف اکثر توجہ دلایا کرتے ہیں۔ چنانچہ گذشتہ شمارہ میں ہم نے ملک کے موجودہ حالات اور عصری تقاضوں کے مطابق جامع نصاب تعلیم اور طرز تعلیم کے بارے میں چند گزشتہ مسائل پیش کر دی تھیں اور جن بنیادی نکات کی طرف ہم نے حکومت کو، تعلیمی اداروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی بہت سے احباب نے اس کو پسند فرمایا اور تحسین کے ساتھ ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور مشورہ دیا کہ ہم مسلسل اس بارے میں اپنی معروضات پیش کرتے رہا کریں۔ چند روز ہوئے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مظاہر اعلیٰ ہستم و شیخ الحدیث مدد سہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی کا ایک مقالہ ہماری نظر سے گذرا۔ جس میں مولانا موصوف نے گویا ہمارے دل کی ترجمانی فرمائی ہے اس لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس دفعہ اس موضوع پر اپنے خیالات کو اپنے الفاظ و عبارات میں پیش کرنے کی بجائے حضرت مولانا مظاہر کا یہی ہمیش قیمت مقالہ قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے۔ امید ہے کہ یہ بابرکت اور نافضلہ مقالہ پوری توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اور جن حضرات کی خدمت میں یہ دردمندانہ گزارش کی گئی ہے وہ ضرور اس پر غور فرمائیں گے۔ (الحاصل)

علماء اُمت کی خدمتِ بابرکت میں دردمندانہ گزارش

عرصہ دراز سے دینی حلقوں میں مسئلہ نصاب تعلیم زیر بحث، اور شدت سے یہ احساس ہو رہا ہے۔ کہ موجودہ مدارس دینیہ عربیہ کا درجہ نصاب قابلِ ترمیم ہے۔ اور مسائلِ حاضرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برہا ہونے کے لئے یہ نصاب کافی نہیں۔ امت کے مصالح اور وقت کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بہت سے اہل عصر اور جدید تعلیم یافتہ قدیم نصاب کی افادیت ہی سے مشکوک ہیں یہاں تک کہ بعض غیر سنجیدہ دماغ تو ان علمی درس گاہوں کے وجود کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک اصل موضوع بحث کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وقت کی دوسری اہم ضرورتوں کی طرح یہ مسئلہ بھی اہم اور بے حد توجہ کا مستحق ہے۔ زمانہ بدل گیا۔ خیالات بدل گئے۔ قوموں کی نفسیات بھی تبدیل ہو گئیں۔ سائنس کی ترقیت نے معاشیات و اقتصادیات کی نئی راہیں کھول دیں۔ فقہ اسلامی کے ابواب میں تمدنِ حاضر کے بہت جدید ابواب کا اضافہ ہوا۔ ممالکِ خارجہ کے

ہے۔ لیکن تعلیم قرآن، درس حدیث اور علوم عربیہ وغیرہ قدیم علوم و معارف کی جتنی اہمیت اب ہونی چاہیے شاید ہی کسی دور میں اہمیت سمجھی گئی ہو۔ کسی مفید اور نافع علاج کی اہمیت اسی وقت زیادہ محسوس ہونی چاہیے جبکہ مرض عام ہو۔ اور ضرورت شدید ہو۔ ہماری اپنی دینی درس گاہیں۔ سے اسی صدی میں ایسے ایسے اکابر اور ائمہ کے ایسے ایسے رہنما پیدا ہوئے کہ تاریخ بجا طور پر ان پر فخر کرے گی۔ اللہ دنیائے اسلام کی علمی تاریخ میں ان حضرات کے اسماء گرامی بہت جلی حدیث میں لکھے جائیں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

قدیم نصاب پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ حضرات سارے علوم عربیہ پڑھ لینے کے بعد عربی گفتگو پر قادر نہیں ہوتے کتے علماء کے اسماء گرامی پیش کئے جاسکتے ہیں جو بلا تکلف فصیح ترین عربی لہجہ میں گفتگو کی قدرت رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ لو لانا خاص مہارت و تجربہ دمشق پر موقوف ہے۔ ہم نے مابک اسلامیہ بلکہ خاص قاہرہ دوسرے بہت علماء کو دیکھا کہ وہ فصیح و صحیح عربی پرارتجالا پوری قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ بعض بہترین لکھنے والے ادباء کو دیکھا کہ وہ بلا تکلف فصیح علمی زبان بولنے پر قادر نہیں جیسے وہ لکھتے ہیں بلکہ عام مرد و عوامیہ زبان استعمال کرتے ہیں۔

● تیسری چیز یہ کہ عربی علوم کو لسانیات کے طرز تعلیم پر نہیں پڑھا یا جاتا۔ بلکہ کتابیں علوم سکھانے کے لئے پڑھائی جاتی ہیں اسی لئے ہمارے عربی نصاب کے اتہرائی درجات میں متعدد کتابیں صرف و نحو کی فارسی میں پڑھائی جاتی ہیں الغرض یہ کہ علوم کو درجہ ادلی میں دکھا گیا ہے۔ اور لسانیات کو ثانوی درجہ بلکہ ضمنی درجہ دیا گیا۔ اس لئے جو عربی بولنے لکھتے کہ مقاصد میں شمار نہیں کیا گیا تھا ہر حال یہ ایک نقطہ نگاہ کا فرق تھا۔ انگریزی زبان کو پہلے درجہ پر رکھا گیا۔ اور جو اسلوب تعلیم زبان کے لئے مناسب ہو سکتا تھا وہی

تجارت و درآمد و برآمد کے سبب اور بینکوں کے نظام نے اسلامی نقطہ نگاہ یا شرعی نظام کے راستہ میں بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے۔ نئے افکار و خیالات، جدید معتقدات اور مختلف علمی و دینی فتنوں نے جدید علم کلام کی اہمیت اور واضح کردی یہ خیالات سب درست اور سچا ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ جل ذکرہ نے بھی باوجود اپنی قدرت لامحدود اور علم محیط کے انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات میں وقت کے تقاضوں کی رعایت فرمائی۔ عہد ابراہیمی میں صابین بابل و نینوی کے طبعین کا مروج تھا۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام کو معجزہ بھی ایسا ہی عطا ہوا کہ صابین اور طبعین کے لئے باعث حیرت و اعجاز ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر و جادو بازمی اور اس قسم کے فنون کا عام چرچا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یونانی اطباء اور ان کے حیرت انگیز معالجات کا دور دورہ تھا خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں اگر سرزمین عرب میں فصاحت و بلاغت، قوت بانی، شعر و خطابت کا شہرہ تھا تو ایران میں خسروانہ کرد و فراریانی تہذیب کا دلربا منظر تھا۔ اور رومۃ الکبریٰ میں بازنطینی نظام و آئین کا رنر تھا۔ لیکن دین نے دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا کہ ان طاغوتی طاقتوں کو رب العالمین کے بندوں کی معجزانہ کار فرمایوں نے کیسی فاش شکست دیدی اور رب العالمین نے کیسے فصیح و بلیغ معجزانہ اسلوب بیان میں کیسا معجز العقول دستور اور مکارم اخلاق کا کیا جامع ترین نظام نامہ حیات نازل فرمایا۔

اور پھر اسلام کی علمی تاریخ میں آپ دیکھیں کہ ہمارے صاحبین نے ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور اہمیت کی مصلحتوں کا کیسے خیال کیا۔ بلاشبہ اب بھی اس کی تقلید کرنے کی ضرورت ہے اور صحیح ضرورت ہے۔ عصری علوم کی ضرورت اور معاشی و اقتصادی دیاسی مشکلات کی عقدہ کشائی کے سوال کی اہمیت بھی واضح

جدید طبیعیات و ریاضیات کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انہیں سمجھ سکے؟ یقیناً رکھتا ہے کیا غزالی اور ابن رشد کی تہا قہ الفلاسفہ کو سمجھنے والا ان جدید تالیفات کو نہیں سمجھے گا۔ یقیناً سمجھے گا۔ اگر قصور ہے تو مطالعہ کا ہے اور نقص ہے تو ترجمہ نہ کرنے کا۔ بلکہ ان جدید کتابوں کا اسلوب آنا شگفتہ اور بیان آنا واضح و دلکش ہوتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ہم نے دیکھا کہ جب مصر سے الدروس الاولیۃ فی الفلسفۃ الطبیعیۃ چھپ کر آئی تو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تذوار العلوم کو پڑھائی تاکہ جدید طبیعیات سے ابتدائی واقفیت ان حضرات کو بھی ہو جائے اور ہم نے دیکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو صرف مطالعہ ہی سے ان جدید علوم ریاضیات و طبیعیات کے لئے ہی معلومات تھے جتنے کسی فن کے ماہر و متخصص ہی کو ہو سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض نظریات یا تحقیقات جواب تک انگریزی یا جرمنی وغیرہ یورپ کی زبانوں سے عربی میں منتقل نہیں ہوئے ان کا علم بغیر ان زبانوں کے حصول کے نہ ہو سکے لیکن ان میں قصور فن یا استعداد کا نہیں بلکہ زبان کا ہو گا۔

غرض یہ کہ جہاں تک قابلیت و استعداد کا تعلق ہے سابقہ نصاب سے زیادہ معیاری نصاب شاید ہی پیش کیا جا سکے اگر صحیح طریقہ سے سمجھ کر ان علوم کو اور ان سائے فنون کو حاصل کیا جائے تو ایک غبی ذکی فاضل بن سکتا ہے۔ اور ذکی شخص ایک محقق روزگار بن سکتا ہے۔ اگر کسی کی تحصیل ہی ناقص ہے جملہ علوم و فنون حاصل ہی نہ کیے تو نصاب کا کیا قصور؟

سوال تو یہ ہے کہ ان قدیمی علوم و فنون کو اور اس نصاب کو کسی نے باقاعدہ حاصل کیا اور صحیح معنی میں تکمیل کی تو یقیناً جو جامعیت دقت نظر اور رونق فی اعلم اسے حاصل ہو گا اس کی نظیر ہمیں اور شکل سے ملے گی۔ بہر حال جو کچھ عرض کیا گیا اس کے صحیح ہونے کے باوجود

اختیار کیا گیا۔ اور پھر دنیا میں جو ترغیبی مسائل اس کے لئے تھے وہ اس پر مستزاد۔ بے شک اب وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس اسلوب کو بدلنے اور عربی زبان کی تعلیم مقاصد میں مثالی کر کے پہلے درجہ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس سے پہلے کہ
ان وجوہ تنقید کا ذکر کیا جائے

قدیم مروجہ نصاب پر ناقدانہ نظر اور اس کی خصوصیت

جو مروجہ نصاب مدارس عربیہ پر ہو سکتے ہیں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اصلی قصور نصاب کا نہیں بلکہ اسلوب تعلیم و مہاج تدریس کا ہے نصاب کیسا بھی ہو اگر طرز تعلیم و طریقہ تربیت کی اصلاح کی کوشش ہوتی تو یقیناً عام طور سے جو ناقص محسوس ہوتے ہیں یہ نہ ہوتے۔ مروجہ نصاب جس کو درس نظامی کہا جاتا ہے درحقیقت یہ تو چند صدیوں سے اصلاح و ترمیم کے بعد کی ایک مکمل صورت ہے۔ اس ملک کے مختلف ادوار میں کیا کیا نصاب رہا اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ اور زیادہ تر مقصد اس نصاب کا یہ تھا کہ اس کے پڑھنے سے سائے علوم نقلیہ و عقلیہ میں بحث و نظر اور تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے صحیح رونق پیدا ہو جائے اور قوی استعداد و قابلیت میسر آئے۔ یہ کبھی مقصد نہیں رہا کہ یہ درس اور یہ نصاب ان علوم کی آخری معلومات اور تفصیل اباحت کے لئے بھی کافی ہے لیکن اس میں شک نہیں اور بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس قدیمی نصاب کا واقعی فاضل اور فارغ التحصیل ہر مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید مسائل اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری قابلیت و اہلیت رکھتا ہے۔ بطور مثال یہ عرض کرنا بجا نہ ہو گا کہ قدیم بطلیموس یا فیثاغورس علم ہیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت و جدید فلسفہ و سائنس کو سمجھے۔ اور صرف مطالعہ سے ان مشکلات کے عہدہ برآ ہو۔ کیا شرح حنفی، صدرا شمس بازنغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ

اہم ترین فن ہے۔ جو قرآن و سنت سے نئے نئے استنباطات کے لیے سب سے اہم راستہ تھا۔ جس کی باقاعدہ تدوین کا فخر دولت عباسیہ کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ کو حاصل ہے اور اُمت میں اس کے سب سے پہلی کتاب امام محمد ابن ادریس الشافعی کی کتاب الرسالہ ہے۔ جو عرصہ ہوا کہ مصر میں کتاب الام کے ساتھ چھپ چکی تھی۔ اور اب کچھ عرصہ ہوا بہت آٹ کتاب سے دوبارہ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی فن میں امام ابو بکر رازی جصاص (متوفی ۳۳۵ھ) نے کتاب الاصول لکھی جس کا ایک عمدہ نسخہ . . .

دارالکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔ اور جس کی نقل راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی ڈیجیٹل حال پراچی کے لیے ہندوستان و پاکستان آئی۔ امام غزالیؒ نے کتاب الاصول لکھی جس کی عمدہ ترین شرح عبدالعزیز بخاری کی ہے۔ جو ترکی کے سابق دارالخلافہ سے دو دفعہ شائع ہوئی اور جس کی تحیر العقول عظیم ترین شرح امیرکتاب عمید الدین آقائی کی اشاعت "دس جلدوں میں دارالکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے اور اس کا ایک نسخہ انتہائی کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں ہے۔ لیکن انیسویں صدیوں کے ابتدائی دو ڈھائی جز کا نقص ہے۔ اس کی نقل بھی راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی میں آچکی ہے۔ امام شمس الاعظم سیحی نے کتاب الاصول لکھی جس کے نسخے ترکی و مصر میں موجود ہیں یہ اور اس کے علاوہ اس فن میں متقدمین کی عمدہ و نافع کتابیں ہیں۔ امام حجت الاسلام غزالی کی "الاصول" اس فن کی عمدہ کتاب ہے۔ اور اس فن میں امام ابو زید دوسکی کی کتاب تقوید لادلتہ بے نظیر ہے۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسی نادرہ روزگار کتابوں کی جگہ امام ابن ہمام کی "تحریر الاصول" اور ابن حاجب کی مختصر الاصول اور

عربی مدارس کے نصاب تعلیم کی تجدید و ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استدلال پیدا کرنے سے قاصر تھا بلکہ مزید علوم جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ وقت کے تقاضے بدل گئے، طبیعتوں کے سانچے بدل گئے، ادواق و افکار میں فرق آگیا۔ عبارتی و قتی اور روشنگاری کے لیے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی۔ اب بہت اختصار کے ساتھ ان لفظوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ تبدیلی یا ترمیم ضروری ہے۔

مدارس دینیہ عربیہ میں اس وقت جو نصاب تعلیم رائج ہے۔ حدیث و فقہ کی چند کتابوں کو متنتہ کرنے کے بعد زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے قرون کی یادگار ہے جہاں سے صحیح معنی میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا۔ قدما و اہمیت کی وہ تالیفات جن میں علم کی روح موجود تھی عبارت سلیس و شگفتہ، مسائل و قواعد واضح، جن میں نہ عبارتی تعقیدات تھیں نہ دُور از کاربحاث، جن کے پڑھنے سے صحیح معنی میں دل و دماغ متحرک ہو سکتے تھے۔ نہ وقت ضائع ہوتا تھا نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار نویسی کو سمجھا گیا۔ زیادہ زور لفظی بحثوں پر دیا گیا۔ لفظی موثرگاریاں شروع ہوئیں۔ یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کاغذ تو کم خرچ کیا گیا لیکن وقت و دماغ کو اس کے حل پر زیادہ صرف کیا گیا۔ بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق و غامض ہو جس کے لیے شرح و حاشیہ کی ضرورت ہو۔ کئی کئی توجیہات کے بغیر حل نہ ہو۔ آخر یہ عملی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا نقص تھا جس سے علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہنچا۔ بطور مثال اسلامی علوم میں اصول فقہ کو لیجئے۔ جو علوم دین اور علوم اجتہاد میں ایک لطیف ترین اور

ہے اور اس میں نکتہ آفرینی کو کمال سمجھنے لگتا ہے پس کو اتنی فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ اس فن کی اہمات اور اساسی تصنیفات کا مطالعہ کر سکے۔

(۵) مشکل پسندی کا ذوق ختم ہو چکا ہے۔ صرف دہخ کے مسائل میں فقہ و اصول کی عبارات میں، ہیئت دریا ضی کی مثالوں کے قائم کرنے کا دور گزر چکا ہے۔

(۶) بہت سے دیندار حضرات کو ان علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے کا شوق دائمگیر ہوتا ہے لیکن جب ان مشکلات کا احساس ہوتا ہے تو گھبرا کر مجبوراً اپنے ارادہ کو شرمندہ عمل نہیں کر سکتے۔

(۷) جو شخص فنی اطلع اور ذہین نہ ہو یا محنتی نہ ہو وہ ان کتابوں سے مستفید نہیں ہو سکتا۔

(۸) متن اور اس پر شرح اور پھر شرح کا حاشیہ یہ اسلوب عصر حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔

(۹) ان کتابوں میں اختصار کی وجہ سے فن کے بہت اہم مسائل اور جزئیات نہیں آسکے۔ اور جتنے آسکے اختصار کی وجہ سے اس کے اطراف و جوانب اتنے واضح نہ ہو سکے۔

(۱۰) علم کلام جدید فلسفہ جدیدہ، علم الاقتصاد اور بعض جدید علوم سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے اور آج اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے جس طرح پہلے جمہیہ، حشویہ، غوارج، معتزلہ و قدریہ صحیح مسلک سے بڑھے ہوئے اور باطل فرستے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح ان کے عقائد اور ان کی تردید دین کا اہم جز تھا اسی طرح آج لادینی نظام حیات اشتراکیت و فطانت وغیرہ کے مسائل پر فروع اسلام کے پیش نظر نقد و تبصرہ دین کا اہم جز ہے۔ آج اگر ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق و تیقح کے بعد امت کے لیے اسلحہ تیار کر کے دے چکے

بیضاوی کی منہاج الاصول یا البوالبرکات شفی کی منار الاصول یا صدر الشریعہ کی تینقح الاصول نے لی۔ اگر تحریر الاصول کی شرح التبیہ والتفہیر ابن امیر الحاج کی نہ ہو یا التیسیر ابن امیر بخاری کی نہ ہو اور قاضی بیضاوی منہاج شرح الاسنوی کی نہ ہو تو یہ چہیتا نہیں اُمت کے کیا کام آسکتی ہیں؟ یہ ماننا کہ انہیں کچھ دقیق و لطیف ان کے مختارات یا خصوصی اباحت بھی ہیں لیکن دوسری طرف مہات جس تعبیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی علمی رُوح پیدا کرنے کے لیے مفید نہیں ہو سکتیں۔

اسی طرح صرف دہخ، مسانی، بیان، منطق، فہمہ، نقد و تفسیر ادب وغیرہ کا اگر جائزہ لیا جائے تو سب کا حاصل یہی نکلے گا۔ مروجہ درسیات میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں پوری داد و دقیق دی گئی اور ایماز و اختصار کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے بے شک ذہن کی حبلہ، دقت نظر اور موثر نگاہی کے کمال کو حاصل کرنے کے لیے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں لیکن عہد حاضر میں ان کے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں ان میں سے بطور مثال چند پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) متن کتابوں میں زیادہ تردد و تفتی مباحث اور عبارتیں موثر گافیوں پر خسر چر ہوتا ہے۔

(۲) فن کے قواعد اور مسائل کے یاد کرنے کی بجائے مصنف کے مقصد سمجھنے پر وقت ضائع ہوتا ہے۔

(۳) فن کے قواعد اور مسائل کے یاد ہو جانے سے جو ایک اعلیٰ سیلفہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے اور جو ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۴) صرف ان کا پڑھنے یا پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق و بالبصیرت عالم بن سکتا ہے۔ مدرس کا سارا وقت اس لفظی اور عبارتیں تعقیقات کی نذر ہو جاتا

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ

دعوت ایمان کی تجدید

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

عَبْقُ الرَّحْلِ سَبْعِي

ترجمہ

گذشتہ صعبت میں اس سوال پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ عالم اسلامی میں ان لمحدانہ مغربی فلسفوں کا سکہ کیونکر رواں ہوا جو تعلیمات انبیاء اور شرائع سماویہ سے براہ راست متصادم ہیں اور ان کے اثر سے آج دنیائے اسلام کے تعلیم یافتہ طبقہ میں زندقہ و الحاد — بلکہ صاف الفاظ میں ارتداد کا سیلاب کس طرح اُمڈ رہا، جس میں مشرق و مغرب اور عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں۔

اب تک کی گفتگو زیادہ تر بنیادی عقاید — ایمان باللہ ایمان بالرسول، ایمان بالغیب — اور ایمان بالآخرت وغیرہ — کے پہلو سے رہی۔ اور بلاشبہ یہی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے اور کفر و ایمان اور زندگی و اسلام کے درمیان یہی حدِ فاصل ہے لیکن اس کے علاوہ ان فلسفوں کے اثرات کے کچھ اور بھی پہلو ہیں۔ اور ضرورت ہے کہ وہ بھی سامنے آجائیں تاکہ موجودہ عالم اسلام کی تصویر مکمل ہو سکے۔ ان فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو

بحرِ مرجع کیا ہے وہاں ان جاہلی جذبات و احساسات کی تخم ریزی بھی دنیائے اسلام میں کی ہے۔ جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی۔ اور جن پر پیغمبر اسلام نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔ مثال کے طور پر عصیتِ جاہلیہ کی بجائے۔ جنس، وطن یا قومیت کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی اس قدر تقدیس کی جاتی ہے۔ اس طرح اس پر جان دی جاتی ہے اور انسان بنی برادری کو اس کی بنیادوں پر تقسیم کرنے میں اتنا غلو پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ (عصیت) ایک مستقل عقیدہ

اور ایک مستقل دین بن جاتی ہے۔ دل دو مانع پر اس طرح اس کا قبضہ ہو جاتا ہے کہ ساری زندگی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ یہ اپنی ہمہ گیری، اپنی طاقت اور اپنے اثرات کی گہرائی اور مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین و مذہب کی حریت ہے۔ اس کی گرفت انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے۔ یہ جب کسی معاشرہ پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوششوں اور کارناموں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور دین عبادات اور چند رسوم و رواج کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے جو پوری زندگی پر فراعندائی کے لئے آیا تھا۔ پھر اس کے نتیجے میں عالم انسانیت چند متغایب کمپوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور وہ "امتِ واحدہ" جس کے مشتعل پروگرام عالم کا ارشاد ہوا تھا۔ "وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُون" پارہ پارہ ہو کر بے شمار امتوں میں بٹ جاتی ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عصیتِ جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ کی تھی۔ اس کے باسے میں اپنی امت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی اور ہر اس بُنیاد پر تیشہ چلایا تھا جس سے یہ اُبھر سکتی ہے، اور اس باب میں یہ روایت ضروری بھی تھا۔ اس لئے کہ ان عصیتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور امتِ واحدہ کی وحدت چاروں بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔ اس عصیت کی مذمت

اور اس کی توحید شریعتِ اسلامیہ میں ایک ستم حقیقت ہے۔
 بے شمار قصص ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ اسلام کا
 اس عصبیت سے بُد ایک بدیہی چیز ہے۔ جو شخص اسلام کے مزاج
 سے، بلکہ مطلق دینی مزاج ہی سے واقف ہوگا اس پر یہ بات مخفی
 نہیں رہ سکتی کہ یہ مزاج ان عصبیتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا۔ سیاسی
 رجحانات و خیالات سے خالی الذہن ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو
 اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ بین الاقوامی تفریق اور عالم
 انسانیت کی تباہی و تخریب میں جو عوامل کارفرما ہے میں اُن میں ان
 جاہلی عصبیتوں کا درجہ بہت ادا چلے ہے۔ پس قدرتی بات ہے کہ جو
 انسان اس لئے آیا ہو کہ پوری دنیا کو ایک اکائی بنائے، جو اس لئے
 آیا ہو کہ تمام نوعِ انسانی کو ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک عقیدے
 پر جمع کرے، جو اس لئے آیا ہو کہ ایک نیا معاشرہ وجود میں لائے،
 جو دین اور ایمان رب العالمین کی بنیادوں پر استوار ہو۔ جو اس لئے
 آیا ہو کہ خاندانِ عالم میں امن و سلام کے چھوڑوں کی سیج بچھائے
 جو اس لئے آیا ہو کہ انسانیت کے پورے خاندان کو محبت و الفت
 کی ایک لڑی میں پروٹے۔ جو اس لئے آیا ہو کہ انہیں باہم نیرو و شکر
 کر کے اس طرح یک جان بنا دے کہ ایک کو دکھ ہو دوسرا بھی رُپے
 — اس مشن کے حامل انسان کے لئے تو بالکل قدرتی اور بالکل
 عقلی بات ہے کہ — وہ ان نسلی، قومی اور وطنی عصبیتوں کے
 خلاف کُہا اعلانِ جنگ کرے۔ اور اس انتہائی حد تک ان کے
 خلاف لڑے کہ یہ قصہ ماضی بن کر رہ جائیں۔

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبے کے بعد سے دُنیا
 اسلام، اسی دُنیا کے اسلام کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 وجود سے وجود میں آئی حان یہ ہے کہ وہ انہیں عصبیتوں کو اپنے
 دل و دماغ میں جگہ دے رہی ہے۔ اور اس طرح انہیں ملنے لے رہی
 ہے۔ جیسے کوئی علمی نظریہ اور کوئی حقیقت ثابت ہو جس سے مفر
 نہ ہو۔ آج اس دُنیا کے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بننے والی

تمام قومیں حیرت انگیز حد تک ان عصبیتوں کو زندہ کرنے اور
 اودان کے گن گھٹنے کی طرف راغب ہیں جن کو اسلام ہی نے
 موت کے آغوش میں سلا دیا تھا۔ حتیٰ کہ ان عصبیتوں کے
 اُن شاہکے احیاء کا جذبہ بھی آج موجود ہے جو کھلی ہوئی بیت
 پرستی کا منظر ہیں۔ ان عصبیتوں کے اس عہدِ قبلِ اسلام کو سرمایہ
 افتخار گردانا جا رہا ہے۔ جسے اسلام "جاہلیت" اور ضلالت
 کا نام دیتا ہے۔ اور یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت انگیز
 اور متفرانگیز کوئی دوسرا لفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں —
 جس سے نجات پانے کو قرآن مسلمانوں پر اپنا احسانِ عظیم تسلیم
 اور تلقین کرتا ہے کہ مسلمان اس نیت کا شکر ادا کریں۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اَوْ يَادْكُرُوا احْسَانُ اللَّهُ مَا لَكُمْ
 اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَالْتَفَ اُوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن
 بَيْنَ قَوْمِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِسُوءِ الْفِتَنِ اُوپر اُس نے تمہارے
 بِنِعْمَتِهِ اخوانًا وَكُنْتُمْ دُلُوفٍ سَوَابٍ ہو گئے تم اس کے
 عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَضَلَّ سَبِيلَ الْيَقِينِ اور تم تھے
 فَالْتَفَضْ كُمْ مِنْهَا کٹا ہے پر ایک آگ کے گڑھے کے
 (آل عمران آیت ۱۰۳) تو اس سے تم کو نجات دی۔

بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ بَلَكُمُ الْاِيْمَانُ رکتا ہے
 هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (احزاب آیت ۹) اگر سچ کہو۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلٰى رُسُلِهِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ اٰیٰتٍ لِّتُحْكَمَ
 بِهَا اَلْاُمَمُ اَلَا تَعْلَمُوْنَ کہ تم کو اندھیروں سے اُجالتے ہیں۔
 اِلَى الْغَوْرَةِ اِنَّ اللّٰهَ اَدْرَاكُ تَمِ بِرُزْمِی كُنْهَ دَالَا، ہر ان
 لَوْ رُفِعَ الرَّحِيْمُ ہے۔

(الحمد ۹)

اس کے بعد تو ایک مومن کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جاہلیت

ہو جیسے کہ آگ میں ڈال دیا جانا۔

اور خداوند قدوس جاہلیت کے شہر آباد اور جاہلی رجاں و اکابر کی مذمت کرتے ہوئے بے لاگ اور بے رورعایت انماز میں فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ اٰمَةً يَذْعُوْنَ ۝۱۰۱
اَلِیْنَا رُوَاۤی رُوَاۤی سَے پھکنے نہ لگے؟ کیا کسی ٹھیک و
مُؤْمِنِی مَرَضٍ سَے صحت پانے والے کو آپ نے دیکھا ہے کہ
اُسے اپنی بیماری کے ایام و احوال کو یاد آئیں اور اس کا دل افسردہ
اور رنگ متغیر نہ ہو؟ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ رات کو
ڈرائے اور پریشان کن خواب دیکھنے والا صبح کو ان خوابوں
کو یاد کرے اور خدا کا شکر نہ ادا کرے کہ یہ محض ادھام و
خیالات تھے؟ — پھر جب قیدی اپنے دور قید و محن کو خوشی
سے یاد نہیں کرتا، جب صحت یافتہ مریض کے لئے اپنے ایام
کرب کی یاد و خوشگوار نہیں ہوتی اور جب بُرے خوابوں کو یاد
کر کے شکر ہی ادا کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ خواب بس خواب
ہی رہے۔ تو جاہلیت تو ان سبے بدتر شے ہے۔ جو جہل و ظلمت
کے بدترین اقسام پر مشتمل ہے۔ اور دنیا و آخرت کے ستنے ہی
نقصانات اور خطرات اس میں پنہاں ہیں۔ اس کی یاد پر تو سزاوار
ہے کہ آدمی کو شدید سے شدید تر ناگواری ہو اور بے اختیار شکر
ادا کرنے کو جی چاہے کہ اس کے دی بیت گئے۔ اور خدا نے اس
تاریکی سے نجات دی۔ اسی لئے تو حدیث صحیح میں آتا ہے

ثَلَاثٌ مِّنْ كُنْ فِيْهِ وَجَدَ ۝۱۰۲
حَلَاوَةُ الْاِيْمَانِ اَنْ يَكُوْنَ ۝۱۰۳
اَللّٰهُ دَرَسُوْهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ ۝۱۰۴
مِمَّا سِوَاهَا وَاَنْ يَحِبَّ الْمَرْءُ ۝۱۰۵
لَا يَحِبُّهُ الْاِلٰهُ وَاَنْ يَكُوْنَ ۝۱۰۶
اَنْ يَعُوْذَ اِلَى الْكُفْرِ يَكُوْنَ ۝۱۰۷
اَنْ يَقْذِفَ فِي النَّارِ (رواہ البخاری)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔
وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝۱۰۸
يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝۱۰۹
فَاَوَدَّ هُمْ النَّارَ وَبِئْسَ ۝۱۱۰
الْوَرْدُ الْمُوْرُوْدُ وَاَتَّبَعُوْا ۝۱۱۱
فِيْ هٰذِهِ لَعْنَةُ دِيُوْطَرِ الْقَلِمَةِ ۝۱۱۲
بِئْسَ الرَّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝۱۱۳
(ہود آیت ۹۹) کے بھی بڑا انا ہے جو بلا۔

لیکن نہایت سے اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں کا حال
اس وقت یہ ہے کہ وہ صرف مغربی فلسفوں اور اہل مغرب کے
طرز فکر سے عربیت کے ماتحت اپنے قبل اسلام کے عہد اور
اس عہد کی تہذیب و رسوم کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں
ان میں اس عہد سے دلی لگاؤ پیدا ہونا جا رہا ہے۔ ان میں خوش آہ
پیدا ہو رہی ہے کہ اس عہد کے شہر کو زندہ کریں اور اس کے
ہیروؤں، بادشاہوں اور ناموروں کو تاریخ کی زندہ جاوید
ہستیوں میں جگہ دلا دیں۔ گویا یہ ان کا کوئی زریں دور تھا۔ اور

تین باتیں ہیں، یہ جس میں پائی جائیں
گی اے ایمان کا ذائقہ نصیب ہوگا
ایک یہ کہ اللہ و رسول ہر شے سے
نہایت محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ
آدمی اگر کسی سے محبت کرتا ہو تو
صرف اللہ کے لئے کرتا ہو۔ تیسرے
یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا آنا شاق

وہ حال ہے کہ باشندائے شاذ کہا جاسکتا ہے۔ جس ملک میں جیسے گا اس طبقہ کو اسی رنگ میں پائے گا۔ گویا ایک ہی تصویر ہے جس کی مختلف کاپیاں کر دی گئی ہیں۔

یہ نئے اجمال کے پیرایہ میں آج کے عالم اسلامی کی دینی اور اعتقادی تصویر۔ اس تصویر میں جو کچھ نظر آتا ہے میرے نزدیک یہ جاہلیت کی ایک موج ہے جو اسلام کا سارا سرمایہ بہلے لیے جارہی ہے۔ دنیائے اسلام کو اپنی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ سرکش موج سے سابقہ نہیں پڑا ہے۔ نہ اس جیسی طاقتور مخالف موج کا سامنا عالم اسلامی کو کبھی ہوا ہے۔ اور نہ اس جیسی ہمہ گیر موج کا۔ اور پھر اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کی ہلاکت خیزیوں پر چوکنے والے کم، اور وہ تو کم سے بھی کم تر ہیں جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ اور اپنی ساری قوتوں کا سرمایہ لے اس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں یونانی فلسفہ کے اثر سے جو بنی الحاد زندہ پھیلنا شروع ہوا۔ فوراً ایسی مہتیاں سامنے آکھڑی ہوئیں۔ جنہوں نے اپنے علمی تجربہ، عظیم عقلیت نادرہ ردز گارزکادات اور قوی شخصیت کے سارے ہتھیاروں سے اس کے خلاف جنگ کی۔ ایسے ہی جاہلیت اور ملاحدہ کی جماعت کاظہر ہوا۔ قواس کے مقابلہ میں بھی علم و حکمت اور دلیل و برہان کی تلواریں لے کر اسلام کے سرفروش میدان میں آکر دوڑے۔ چنانچہ اسلام ان بد وقت نصرتوں کی بنا پر علمی اور عقلی اعتبار سے ایسی مضبوط پوزیشن میں رہا کہ مخالفت کی موجیں اٹھتیں اور سر ٹکرا کر واپس چلی جاتیں۔ سیلاب کے سیلے آتے اور بے اثر ہو کر گزر جاتے۔

آج دنیائے اسلام کا اولین مسئلہ اخلاقی انحطاط کا نہیں ہے اور نہ عبادات و زوافل میں تہل، ترک شعاہر اور تقلید اغیار، آج کے بنیادی مسائل ہیں۔ بے شک یہ مسائل

کوئی نعمت تھی جو اسلام نے ان سے چھین لی۔ — الیاذ باللہ! یہ کیسی کھلی ناشکری ادا اسلام اور پیغمبر اسلام کی کیسی ناقدری ہے! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفر و بت پرستی کی شہادت دیوں سے بچل گئی ہے اور جاہلی خرافات سے کوئی نفرت باقی نہیں رہ گئی۔ اور یہ وہ باتیں ہیں کہ ایک باشعور مسلمان کے متعلق ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان پر تو اگر ایمان سلب ہو جائے، اسلام کی دولت سے محروم کر دیا جائے اور اللہ کی رحمت کے بجائے اس کا عقاب سامنے آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قرآن نے اسکا گاہ کیلئے:۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا وَاذْكُرُوا لَكُمْ يَوْمَ تَمُوتُ السُّلَمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ سَيَذَرُكُمْ لِيَوْمِ ذَلِكَ الَّذِينَ تَكْفُرُوا بِالْعِلَاقَةِ الَّتِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ لِيَوْمِ ذَلِكَ يَتُوبُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى اللَّهِ يَرْجُونَ الْغُفْرَانَ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِوا لَأُولَئِكَ أَعْدَدُوا لِلْكَافِرِينَ يَوْمِ الْفِتْنَةِ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِوا لَأُولَئِكَ أَعْدَدُوا لِلْكَافِرِينَ يَوْمِ الْفِتْنَةِ وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِوا لَأُولَئِكَ أَعْدَدُوا لِلْكَافِرِينَ يَوْمِ الْفِتْنَةِ

ان مصیبتی رجحانات کے علاوہ ایک اور فتنہ بھی ہے جس سے آج کا عالم دوچار ہے اور وہ ہے اپنے طبقوں میں، آنکھیں بند کیے مادیات کے پیچھے پڑنے کا رجحان۔ کہ ہر عقیدہ اور ہر قدر اس پر قربان۔ دوسرے الفاظ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا رجحان۔ زمینی زندگی پر فریفتگی اور نفس پرستی کا رجحان۔ اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا کرتا ہے، یعنی اخلاقی بے راہ روی، محرمات الہیہ کا استحفاف، فحش و شراب کا شیوع و عموم، اور اسلامی فرائض و تہذیب سے اس طرح کی آزادی جیسے اس طبقہ کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں، یا اسلامی شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ — اور وہ کوئی داستان پارینہ اور قصہ و افسانہ ہے۔ دنیائے اسلام کے تمام ملکوں کے اپنے طبقہ کا یہ

اتنیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل و دماغ میں برپا کر رکھا ہے۔ غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے اور سیاست و اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں۔ ————— کال ایک صدی سے یہ اکیڑ بھاڑ ہو رہی ہے۔ لیکن ہم اس کے مقابلہ کی کوئی فن کر نہیں ہوئی۔ ہم اپنے اسلاف کی علمی میراث پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اور اس کی کوئی پروا نہیں کی۔ کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اس ترکہ پر اضافہ کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرچوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے، گویا یکایک، یہ منظر آیا کہ ایمان و عقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی فسل تیار ہو کر رہ سوا کہ ہر اقتدار اچسکی ہے۔ جو نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ایمان رکھتی ہے۔ نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت رکھتی ہے۔ اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مومن و مسلم قوم سے اس کے سوا ہے کہ قومیت کے خانہ میں اس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک! بس اس کے سوا کوئی تعلق نہیں! اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر صورت حال یہ ہے کہ یہ لادینی مزاج اور لادینی انداز فنکارانہ ثقافت اور صحافت و سیاست کے راستہ سے جمہور تک پہنچ چکا ہے۔ اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پمانہ کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ خام بدن! وقت کی رفتار وہ وقت قریب لا رہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے قطعاً بیدخل کر کے رکھ دیا جائے۔

میں اپنے گزشتہ صحبت کے یہ الفاظ پھر دہراتا ہوں، کہ

”یہ وقت عالم اسلام میں ایک نئی اسلامی دعوت کا متقاضی ہے اس دعوت اور مجدد جہد کافرو اور مشائخہ ہوالی الایمان من جدید“

ہدایت اہم ہیں۔ اور سعی و توجہ کے پورے مستحق۔ لیکن عالم اسلامی کا وہ مسئلہ جو طوفان بن کر کھڑا ہوا ہے۔ اور اسلام کی ہستی اس کی زد میں آگئی ہے۔ کفر و ایمان کا مسئلہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا اسلام پر قائم رہے گی یا اس کا قلابہ اپنی گردن سے اتار دیگی؟ اسلامی دنیا میں آج ایک معرکہ برپا ہے جس میں ایک طرف مغرب کا فلسفہ لادینیت ہے، دوسری طرف اسلام، — خدا کا آخری پیغام! — ایک طرف مادیت ہے اور دوسری طرف آسمانی شریعت! میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین اور لادینیت کا آخری معرکہ ہے۔ اور اس کے بعد دنیا دونوں میں سے کسی ایک رخ کو اختیار کر لے گی۔

آج کا جہاد، آج کی خلافت نبوت اور آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے۔ ہنس! بلکہ آگے بڑھ کر اس کے قلب مرکز پر حملہ کیا جائے جو عالم اسلام کی جڑیں کھود رہی ہے۔ آج کی خلافت نبوت یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے اساسات و عقائد، اس کے نظام و حقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد و پس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقہ کے ہاتھ سے چھوٹ رہا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج ہم پہنچا یا جائے جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بُری طرح گرفتار ہے۔ اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔ آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل و دماغ میں گھر گئے ہیں ان سے علم اور عقل کے میدانوں میں نبرد آزما کی جائے۔ یہاں تک کہ اسلام کے اصول و مبادی پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں!

کال ایک صدی گزرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے۔ شک و الحاد، نفاق و

میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحہ اور کسی دفعے میں بھی میں ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں جو دین و سیاست کی تفریق کے قائل ہیں۔ نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے وہ زندگی کے منظم اور حالات کے ہر سانچہ میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جاتے۔ اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جلتے۔ بعدہ میرا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرہ ملعونہ — الشجرة الملعونة فی القرآن — کا معصادق سمجھتا ہوں۔ میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قزوں میں صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں۔ اور ہر اسلامی ممالک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو۔ میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کے آخری سانس تک رہوں گا

لیکن بات ترتیب اور تقدیم و تاخیر کی ہے۔ دینی حکمت اور دینی تفہق کی ہے۔ اور سوال حالات کے تقاضہ کا ہے۔ اب تک ہماری کوششیں اور ہماری صلاحیتیں، ہمارے وسائل اور ہمارے اوقات سیاسی اور تنظیمی تحریکات کی نذر ہوتے رہے ہیں اور یہ ساری جہد و حرکت اس مفروضہ پر رہی کہ قوم میں پورا پورا ایمان ہے اور قوم کی قیادت — جو لامحالہ تسلیم یافتہ طبقہ ہی سے ہوتی ہے — وہ بھی پوری طرح مسلمان ہے، اسلام کے عقائد و مبادی پر اس کا ایمان ہے۔ اسلام کی سر بلندی کے لیے اُس کے دل میں جوش و جذبہ ہے۔ اور حدود و احکام کے نفاذ کے لیے بھی وہ تیار ہے۔ حالانکہ بات برعکس ہے۔ قوم کا حال یہ ہے کہ ایمان میں ضعف اور اخلاق میں انحطاط آچکا ہے۔ لیکن اس کا نہ ہمیں پتہ ہوتا نہ خود قوم کو شعور ہوتا۔ تسلیم یافتہ اور اپنے طبقہ

آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کرو! — لیکن تنہا غصہ کافی نہیں ہے۔ اس میں پہلے وہ نفسیاتی ماسہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے جس سے عالم اسلام کے موجودہ سر اقتدار طبقہ کے دل و دماغ تک پہنچا جاسکے۔ اور اُسے اسلام کی طرف لوٹایا جاسکے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ ”آج عالم اسلام کو ایسے مردان کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے ہور ہیں۔ اپنا علم، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لیے وقف کر دیں، کسی جاہ و منصب یا عہدہ و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ کسی کے لیے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو، ناپیدہ پہنچائیں۔ مگر خود ناپیدہ نہ اٹھائیں۔ دینے والے ہوں، لینے والے نہ ہوں۔ جو طبقہ جس چیز کے لیے مرنے والا ہو اس کو اسی کے لیے چھوڑ دیں حتیٰ کہ ان پر کوئی ہمت نہ لگائی جاسکتی ہو اور شیطان ان کے خلاف کوئی ہتھیار فراہم کر کے نہ دے سکتا ہو۔ اخلاص ان کا شائبہ ہو اور نفس پرستی، خود پسندی، اور ترسمہ کے عصیت سے بالاتری ان کا امتیاز!

اور اس پر یہ اضافہ کرتا ہوں کہ آج ایسے علمی ادارے اور اکیڈمیاں بھی عالم اسلام کی بڑی اہم ضرورت ہیں جو ایسا طاقتور نیا اسلامی ادب پیدا کریں جو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام — وسیع معنی میں اسلام — کی طرف لاسکے جو انہیں مغرب کے ان فلسفوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلا سکے جنہیں ان میں سے کچھ نے سوچ سمجھ کر اور زیادہ تر نے محض وقت کی ہوائے متاثر ہو کر حرز جاں بنا لیا ہے۔ وہ ادب — جو ان کے دماغوں میں از سر نو اسلام کی بنیادیں اٹھائے اور قلب رُوح کی غذا بنے۔ اس کام کے لئے عالم اسلام کے ہر گوشہ میں آج ایسے ارباب عزیمت درکار ہیں جو مکر کے احقاق تک اس علمی محاذ پر جے رہیں۔

جائے۔ اور اس طرح اس کے احوال اور دل و دماغ کو بدلا جائے۔ دوسرا گروہ اس کی بالکل ضد ہے۔ وہ اس طبقہ سے تعاون کرتا ہے، مال و جاہ میں اس کا شریک بنتا ہے۔ اس کے ذریعہ اپنی دنیا بناتا ہے۔ اس کا دین سنوانے کی فکر نہیں کرتا۔ پس اس گروہ میں نہ کوئی دعوتی آواز ہے، نہ دینی غیرت کا کوئی مظاہرہ۔ نہ یہاں اس بگڑے ہوئے طبقہ کی اصلاح کی کوئی حرص و فکر پائی جاتی ہے اور نہ اسے اس قربت تعاون میں کوئی پیغام ملتا ہے۔

ایسا کوئی گروہ نہیں جو اس صورت حال پر درد مند ہو۔ جو یہ سمجھے کہ یہ اونچا تسلیم یافتہ طبقہ مریض ہے مگر علاج کے لائق اور شفا یابی کے قابل۔ اور پھر اس کے علاج کی فکر کرے حکمت اور نرمی کے ساتھ دین کی دعوت لے کر اس میں گئے اور بے لوث نصیحت کا حق ادا کرے۔ ایسا کوئی تیسرا گروہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اس مغرب زدہ عنصر کو دین اور دینی ماحول سے قریب ہونے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ اسکی ساری زندگی اس ماحول سے وحشت اور دوری میں گذرتی ہے۔ اور پھر اس بُدو وحشت کو اہل دین کا وہ گروہ اور بڑھا دیتا ہے جو اس کا سیاسی حریف اور فریق بن کر میدان میں اُتر آیا ہے۔ ایسے ہی وہ ایک گروہ بھی اس بُدو وحشت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ جو دین کے نام پر اس طبقہ سے، جاہ و منصب اور حکومت و سلطنت کے لئے جنگ کرتا ہے۔ یہ دونوں گروہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہتے کہ اس طبقہ کو دین سے خائف کریں اور ایک بُنصر و عناد کی کیفیت پیدا کریں۔ انسان کی فطرت ہے کہ اگر وہ دنیا کا حریف ہے تو اس معاملہ میں اپنے کسی رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر حکومت و سلطنت ہی اس کا مقصد زندگی ہے تو اس میدان کے حریف کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر بندہ نفس اور غرور عیش و عشرت ہے تو یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ وہ اس دنیا میں کسی کو بہیم شریک

کا حامل یہ ہے۔ کہ مغربی فلسفوں اور سیاست و اقتدار کے اثر سے، بیشتر افراد میں عقیدہ گویا پگھل چکا ہے۔ بلکہ بہت سوں کا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ اسلامی عقیدہ سے کھلے باغی اور مغربی فلسفوں اور ان فلسفوں کے لئے ہوئے اذکار و عقائد پر دل کی گرا نیوں سے ایمان۔ ان کے لئے دنیا سے لڑ جانے کا ہوش و دلولہ اور ان کی نشہ و اشاعت کا جزئی۔ یہ فکر کہ زندگی کا نظام ان فلسفوں کی روشنی اور ان کی دی ہوئی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور یہ کوشش کہ پوری قوم کو اس لادینیت سے مانوس کیا جائے یہ ہے اس طبقہ کے بہت سے افراد کا ذہنی حال۔ پھر عمل کے میدان میں بعض جلد باز ہیں۔ اور بعض تدریج کے قابل۔ بعض اس لادینی رجحان کو طاقت کے زور سے قوم پر ٹھونس دینا چاہتے ہیں۔ اور بعض قوم کو اس شیشہ میں غول بھرتی کے ساتھ اتارنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ مگر منزل سب کی ایک اور مقصد و ہدف سب کا واحد:

اس طبقہ کے بارے میں ہمارا دینی طبقہ — بشرطیکہ یہ تعبیر درست بھی ہو — کیونکہ اسلام میں کوئی مخصوص دینی طبقہ اور پابندیت جیسی کوئی چیز نہیں ہے — اپنے رویے کے اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہے، ایک گروہ ہے جو اس سے شدید جنگ رکھتا ہے۔ اسکی تکفیر کرتا ہے اور اس کے سایہ سے بھی دور رہنا پسند کرتا ہے لیکن ان اباب علی کی جستجو سے بالکل مستغنی ہے جنہوں نے اس طبقہ میں لادینیت کا رجحان پیدا کیا۔ یہ گروہ اس کا قاتل نہیں کہ اس طبقہ سے احتلاط پیدا کیا جائے۔ دین اور رجال دین سے اسکی وحشت دور کی جائے۔ اگر کوئی ایمان و خیر کا ذرہ اس میں موجود ہے تو اسے بڑھا دیا جائے، مؤثر اسلامی لٹریچر کے ذریعہ اس کے اندر دینی افکار اُتارے جائیں۔ اس کے جاہ و مال اور قوت اقتدار سے استغناء دکھا کر اسلامی کردار کی عظمت کا نقش قائم کیا جائے۔ غلغلہ نہ اور حکیمانہ نصیحت کی

میں ڈھال دے۔ لیکن اس حکیمانہ دعوت اور ایک ایسے حکیم او
 اور داعی اسلام کے ظہور میں آنے کے طفیل، جس نے اسلام
 کے خلوص اور اس کے تغلق کا حق ادا کیا۔ اور اس کے جانشینوں
 کی کوششوں کے طفیل یہ ملک ایک بار اسلام کے ہاتھ سے
 نکل کر پھر اس کے ہاتھ میں آیا۔ اور پہلے سے زیادہ
 مضبوطی کے ساتھ آیا۔ اگر کے تخت پر پے در پے ایسے
 بادشاہ آئے جن میں سے ہر ایک اپنے پیشرو سے بہتر تھا۔ حتیٰ کہ
 نوبت اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچی۔ وہ اورنگ زیب جس کا
 ذکر تاریخ اسلام اور تاریخ اصلاح کا ایک زریں باب ہے۔
 اور معلوم ہے کہ تاریخ ہمیشہ دہرائے جانے اور بار بار دہرائے
 جانے کے لئے تیار ہے۔ اسے کبھی اس عمل سے انکار نہیں ہوتا
 بس بات صرف اس قوت کی رہی ہے جو اس کا رخ پھیر سکے۔
 اور اسلام کے تابندہ ادوار کو دہرا کر لانے والی قوت صرف
 یہی دعوت اور یہی حکمت و اخلاص ہے !

کیا ہم اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ؟

نوٹ

اس مضمون کا پہلا حصہ حالی ہی میں "مسلمون" مضمون میں شائع
 ہو چکا ہے۔ یہ دوسرا حصہ ہم نے براہ راست مودہ سے لے کر ترجمہ کیا ہے
 اس کی اشاعت اب تک نہیں ہوئی ہے۔ (الفرقان)

بننے کی اجازت دیدے۔
 عالم اسلامی کے درد کی دوا آج وہ گروہ ہے جو
 خواہشات سے بلند اور ایمان بے غرضی کا پسیر ہو۔ ہر اس بات
 سے دامن بچائے جس سے وہم بھی ہو سکتا ہو کہ اسے دنیا کی
 طلب ہے یا اس کا مطمح نظر اپنے لئے، اپنی پارٹی کے لئے،
 یا اپنے خاندان کے لئے حکومت و اقتدار کا حصول ہے، وہ
 گروہ جو اس طبقہ سے میل ملاقات کے ذریعہ، مراسلت اور
 گفتگو کے ذریعہ، دعوتی اسفار کے ذریعہ، پُر اثر اسلامی
 ادب کے ذریعہ، شخصی روابط کے ذریعہ، پاکیزگی کردار اور عسلی
 اخلاق کے ذریعہ، زہد و استغناء اور پیغمبرانہ اخلاق کی پُر اثر نمائندگی
 کے ذریعہ ان نفسیاتی اور عقلی گھڑوں کو کھول دے جو مغربی علوم
 نے پیدا کی ہوں یا دینی طبقہ کے بے تدبیری سے پڑی ہوں یا کم فہمی
 کم نظری اور اسلام اور اس کے صحیح ماحول سے لہجہ ان کا سبب
 بننا ہو۔

۔ یہی وہ گروہ ہے جس سے ہر دور میں اسلام کی خدمت
 بن گئی ہے۔ اموی سلطنت، کارونج پھیر دینے اور تخت خلافت
 پر عمر بن عبدالعزیز کو لا بٹھا۔ نے کا سہرا اسی گروہ کے سر ہے
 اور پھر ہندوستان میں منلی سلطنت میں اسی نوع کا انقلاب بھی
 اسی گروہ کا بہ من منت ہے۔ اگر جیسے طاقتور بادشاہ نے
 اسلام سے انحراف کر کے اور کھلی اسلام دشمنی پر مکر باندھ کے
 گویا یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس اسلامی برہنہ کو جو چار صدیاں اسلامی
 حکومت کے سایہ میں گزار چکا تھا پھر پرانی جاہلیت کے سچے

اعتذار

ماہ مئی کے رسالہ کی کاپیاں تیار ہو کر پریس میں پہنچیں تو کاغذ دستیاب نہ ہو سکا۔ ایک ماہ کے انتظار کے
 بعد کاغذ ملنے پر ماہ مئی و جون دونوں مہینوں کا رسالہ یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔ قارئین کرام معذرت و تصور
 فرما کر ممنون فرمائیں۔
 (مینجر رسالہ شمس الاسلام بھیرہ)

سیرت نبویؐ میں مکارم اخلاق اور ان کی اہمیت

از مولوی عبداللہ صاحب جاوید ہاشمی غازی پوری قسطنطنیہ دارالعلوم دیوبند
(گزنہ نشہ سے پیوستہ)

ہشامؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اُن سے آنحضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ ارشاد فرمایا۔ کیا تم قرآن شریف نہیں پڑھتے۔ اگر تم قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ "کان خلقہ القرآن" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن حکیم کا عملی نمونہ تھے۔

اسی طرح بخاری و ترمذی کی مختلف روایتوں کے مطابق آپؐ ارشاد فرماتی ہیں:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ بُرائی کے بدلے میں بُرائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر فرماتے تھے۔ (عوام کی سنانی کا یہاں تک خیال تھا اور غواہ اپنی کسر نفسی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی) کہ جب آپؐ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آسان کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ آپؐ کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن احکام الہی کی نافرمانی کی صورت میں آپؐ ضرور مواخذہ کرتے اور سزا دیتے۔

آپؐ نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہیں کی، آپؐ نے کبھی کسی غلام کو وہ کسی عورت کو، کسی خادم کو جالور کو، اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کسی سائیل کو مایوس نہیں کیا۔ اگر کچھ موجود نہیں ہوتا تو بہت تیزی سے معذرت فرمائی۔ اور دوسرے وقت کا وعدہ فرمایا۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ باتیں ٹھہر چھڑ کر اس طرح کرتے کہ کوئی یاد کرنا چاہے تو یاد کر لے۔ گھر کے اندر تشریف

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، آپؐ کی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ ہیں اور مسلسل ۵۲ سال تک (نہرت سے پہلے اور نہرت کے بعد) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنی زندگی گزار چکی ہیں۔ آغازِ وحی اور ابتداءِ نبوت میں جب نہرت کی دشوار طلب ذمہ داریوں کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریش تھکی کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں گے یا نہیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کو تسلی دلاتے ہوئے کہتی ہیں:-

سَلَا، وَاللّٰهُ مَا يَخْشِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَقْصِلُ الْحَمْدَ وَتَحْمِلُ الْكُلَّ، وَتَكْسِبُ لِمَعْدُومٍ وَتَقْصِرُ الضَّعِيفَ وَتَعِينُ عَلَى ذَوَائِبِ الْحُجَّتِ (بخاری شریف باب بآء الوحي)

(ہرگز نہیں، خدا کی قسم، اللہ آپؐ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی اعانت اور بھانوں کی حینا کرتے ہیں۔ حق کی حایت کرتے ہیں۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ ایسے اوصاف کا حامل نہرت کی ذمہ داریوں کو نبھا سکتے ہیں)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو آپؐ کی رازدارِ جسم ہیں جن کو دوسری تمام ازواجِ مطہرات کے مقابلہ میں شانِ محمدیہ بھی حاصل ہے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ اور اخلاقِ حسنہ کی تفصیل سب سے زیادہ بتائی ہے۔ حضرت سعد بن

لاتے تو نہایت خداں بہتے اور مکر لے ہوئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسلام کے چوتھے خلیفہ ارشد اور بڑی عظمت و مرتبہ کے صحابی ہیں۔ عہد طفولیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ گزرا ہے حضور کی چھیتی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ آپ کے منسوب ہیں۔ اور تقریباً ۳۳ سال تک خدمتِ اقدس میں رہ کر کتاب فیض و برکات کیا ہے۔ وہ حضرت حسینؑ کے استغاثہ پر ارشاد فرماتے ہیں:-

”آپ ہمیشہ خندہ پیشانی، کث دہ روئی اور بہتر اخلاق سے پیش آتے کسی بات میں آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تو آپ خوشی سے موافق ہو جاتے نہ آپ بد خوئے نہ سخت گواور نہ سخت دل۔ نہ آپ چلا کر بولتے تھے نہ بد کلامی فرماتے۔ نہ لوگوں کے عیوب پر آپ کی نظر رستی۔ ناپسند بات سے اعراض فرماتے۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو مبرا رکھا تھا۔ ۱۔ جھگڑے سے۔ ۲۔ تکبر سے اور ۳۔ بیکار باتوں سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی مذمت فرماتے، نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ کسی کے عیوب تکمیل فرماتے۔ آپ صرف وہی بات فرماتے جو باعثِ اجر ہوتی۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے صحابہ اس طرح گردن ہٹا کر بیٹھتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (جیسے غالب بھجوان ہیں) جب آپ خاموش ہو جاتے تب صحابہ کرام آپس میں باتیں کرتے۔ اور آپ کے سامنے مجلس میں جو شخص بات شروع کرتا جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا تب خاموش رہتے۔

ہر شخص کی بات تو جہ سے کہتے۔ علی جلی مجلس میں جس بات سے کہتے آپ بھی تبسم فرماتے۔ اور جس سے سب تعجب کرتے آپ بھی تعجب کرتے۔ صحابہ کرام کو کتاب اللہ کے بموجب تھی کہ (توفوا اصولکم فوق صوت النبی) اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بندھ کر (نیز ہدایت تھی کہ لا تسکلو اعین اشیاء ان تبدلکم تسوکم) (بے ضرورت سوال نہ کرو جن کے جواب

ممكن ہے تمہارے لئے رنجیدہ ہوں) لہذا صحابہ کرام مجلس مبارک میں سوال کرنے میں جھجک محسوس کرتے نہ جہتے تھے۔ لیکن اجنبی لوگوں اور باہر کے آدمیوں کے لئے کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُن کی خلافت ارب باتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کی جاتی تھیں۔ اس لئے صحابہ کرام کی خواہش یہ تھی کہ کوئی اجنبی سمجھدار آدمی آئے۔ وہ سوچ سمجھ کر سالات کرتا رہے ان کے جوابات سے صحابہ کرام بہرہ اندوز ہوں۔ ان کی معلومات میں اضافہ ہو۔ (یہ تھا صحابہ کرام کا حسن ادب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کہ نہ واقف کا سر غرور قبول تھا) نیز صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو۔ جو ضرورت منداپنی ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچا سکتے اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا کر دو۔

اس بارگاہِ قدسی پناہ میں لوگ اظہارِ شکریت یا اعترافِ حقیقت کے طور پر تقریفی کلمات بھی ادا کرتے لیکن اُن کے لئے اعتدال پر رہنا ضروری ہوتا تھا۔ اس تعریف میں اگر کوئی حد تکجاوڑتا تو آپ روک دیتے یا کھڑے ہو جاتے۔

(شہابی ترمذی شریف باب اخلاق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:- اجد الناس صداداً وصدق الناس لهجة والیہم عریکة واکرمهم عشیرة من مراہ بدیہۃ ہا بہ ومن خالطہ معرفۃ احبہ (شہابی ترمذی)

یعنی آپ سب سے زیادہ سخی دل تھے۔ سب سے زیادہ سچی زبان والے اور سب سے زیادہ نرم طبیعت اور بلحاظ خاندان سب سے زیادہ شریف۔ آپ کو جو شخص یکایک دیکھتا (وقار نبوت سے) مرعوب ہو جاتا۔ البتہ جیسے جیسے جان پہچان اور میل جول بڑھتا آپ کا عاشق ہوتا جاتا تھا۔ اور پھر آخر میں تو حضرت علیؑ کی بجا ل عقیدت و محبت کہہ اٹھے ہیں۔ یقول ناعتہ لم اقبلہ ولا بعدہ مثله صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی کیا جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بہتر ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شہادت دے

ہے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس واجود ما یکون فی رمضان۔ (بخاری شریف)

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں تو آپ بہت ہی زیادہ سخی ہو جاتے تھے)

اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے
ما سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً قط فقال لا
(شمائل ترمذی)

(آپ نے کبھی بھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا)

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جو حضرت علیؓ کے بھائی
ہیں وہ ہجرت حبشہ کے وقت نجاشی بادشاہ حبشہ کے دربار آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اسلامی اور اخلاقی تعلیم کے متعلق
ارشاد فرماتے ہیں:-

”اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجنا
ہمارا مذہب تھا۔ مردار کھانا، بدکاریاں کرنا ہمارا شیوہ تھا قطع
رحمی کرنا اور پڑوسیوں کو ستانا ہمارا کام تھا۔ ہم میں کازبردست اپنے
کمزور بھائیوں کو کھا جاتا تھا۔ اس آئین میں — ایک شخص ہمارے ہی
میں کا پیدا ہوا جس کی شرافت خاندان اور کمالِ صدق کے ہم قائل
ہیں جس کے وصفِ امانت اور پاکدامنی کی ہم قسم کھاتے ہیں۔ اس
نے ہمیں خدا کے وعدہ کی بندگی کی تسلیم دی۔ اور ہم کو بتایا کہ
بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ امانتوں کو ادا کریں۔ صلہ
رحمی کریں۔ اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اور یہ کہ ہم
خونریزی سے باز آئیں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں۔ فواحشات کا ارتکاب
نہ کریں۔ جھوٹ سے پرہیز کریں۔ غنیف اور پاکدامن عورتوں
پر تہمت نہ رکھیں۔ اور — ہمیں حکم فرمایا کہ خدا کی بندگی میں

کے اوصاف بیان کرنا چاہیے ہی کے تاکہ آپ جیسا کہ کبھی کسی کو پہلے
دیکھنا نہ بدین (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو حضورؐ کے خادم خاص
تھے اند تقریباً دس سال تک مسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
اقدم میں حاضر رہ کر دینی اور دنیوی سعادتوں سے مشرف ہوتے
رہے ہیں، یہ خادم اپنے آقا (فداہ امی واپی) کا سامنے اپنے ساتھ
بیان کر رہے ہیں۔

خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر مہین
فما قال لی اَفِ قط، وما قال لشیئ صنعته لم صنعته، ولا
لشیئ ترکته لم ترکته، وكان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم من احسن الناس خلقاً (شمائل ترمذی)

(میں نے آنحضورؐ کی دس سال خدمت کی لیکن اس عرصہ

میں آپؐ نے کبھی کسی معاملہ میں اُن تک نہیں فرمایا۔ اگر
میں نے کوئی کام کیا تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا؟
اور اگر کوئی کام چھوڑ دیا تو اس پر باز پرس بھی نہ کی۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پوری نوع انسان میں
سب سے بہتر اخلاق کے مالک تھے۔)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسلام کے دوسرے
خلیفہ برحق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں خود اُن کا
مقام بھی بارگاہِ نبوی میں ایک جلیل القدر صحابی کا تھا وہ ارشاد
فرماتے ہیں۔

لما لیکن البتہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحشاً ولا متفحشاً
وكان یقول ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً

(بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی طبیعت سے سخت کلام اور
بدگوشتے اور نہ (رعب جملے کے لئے) تکلفاً سخت کلامی اختیار کرتے
تھے۔ اور آپؐ یہ بتایا کرتے تھے کہ سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے

سے ملنے اُن کے مکان تشریف لے گئے، واپس آنے لگے تو حضرت سعدؓ نے مخالفت کے لئے اپنے صاحبزادہ کو ہمراہ کر دیا۔ کہ آپ کے مکان تک ساتھ رہیں۔ آنحضرتؐ نے ان سے راستہ میں کہا کہ تم بھی سواری پر میرے ساتھ سو جاؤ۔ انہوں نے خلافِ ادب جان کر انکار کر دیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سواری پر میرے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تو گھر واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے ہیں رفاقت کا شرف ایک صحابی عقبہ بن مالکؓ کو حاصل ہے۔ راستہ میں جب ایک پہاڑ کے دوسے کے پاس پہنچے تو ان سے ارشاد فرمایا کہ اب تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ لیکن وہ کب گوارہ کر سکتے تھے کہ خود تو اونٹ پر سوار ہو کر چلیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا پادشہ تشریف لے چلیں، لہذا انکار کیا۔ لیکن جب حضورؐ نے ان کو پھر حکم دیا تو وہ اونٹ پر سوار ہو گئے اور شہنشاہِ دو عالم یا پادشہ ساتھ چلے گئے۔

ایک دن ایک ایسے شخص نے مجلسِ نبویؐ میں حاضری کی اجازت چاہی جسے آنحضرتؐ اپنے قبیلہ کا ایک بُرا آدمی سمجھتے تھے مگر آپؐ نے اس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی۔ جب وہ حاضری خدمت ہوا تو آپؐ کی طرف سے عتاب کی نظر آئی اور بہت توجہ اور نرمی سے بات چیت فرمائی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر بہت تعجب ہوا جب وہ آدمی چلا گیا۔ تو انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ شخص تو اپنے قبیلہ کا کوئی اچھا آدمی نہیں تھا اور آپؐ اس کو بُرا جانتے تھے، تو اُس سے اس نرمی اور لطافت سے کیوں کلام فرمایا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عائشہؓ!

اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهٖ النَّاسُ اَتَقَاءً وَشَرًّا (بخاری شریف)

(قیامت کے روز خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہو گا جس

کسی کو شریک نہ بنائیں۔ نماز پڑھیں روزے رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔) (سیرت نبوی لابن ہشام ص ۳۵۹)

ہند بن ابی ہالہ جو آنحضرتؐ کے گویا آغوش پر درودہ تھے وہ ارشاد فرماتے ہیں:-

”آپ نرم خوش تھے، سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی توہین رہا نہیں رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کتنا جس قسم کا بھی سامنے آتا صبر و شکر سے تبادلہ فرماتے۔ کبھی یہ نہ فرماتے کہ یہ عذابِ خدا ہے اور یہ کھانا بُرا ہے۔ کوئی اگر امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپؐ کو عَصَہ اُٹھاتا تھا اور اس کی پوری حمایت فرماتے۔ لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپؐ کو عَصَہ نہیں آیا۔ اور نہ کسی سے اپنی ذات کے بارے میں انتقام لیا“ (سیرت النبی)

عملی زندگی کے چند گوشے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

سے بھی بہت زیادہ بلند اور رفیع تھی۔ کہ آپؐ نے پہلے اپنی مقدس تعلیمات پر خود عمل فرمایا پھر اس کو دُنیا کے سامنے رکھا۔ ہمارے سامنے دُنیا کی بے شمار مقدس ریتوں اور مصلحین کی اخلاقی تعلیمات ہیں مگر ہم جب ان کی ذاتی اور عملی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ لیکن برخلاف اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کا کوئی ایسا گوشہ سامنے نہیں لایا جا سکتا جہاں آپؐ کے قول و عمل میں ادنیٰ فرق بھی ہو۔

حسنِ عبادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ عشاءِ عشاء تک آپؐ کسی صحابی کے مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کبھی کسی کی عبادت کرنی ہے، کسی کا حال دریافت کرنا ہے۔ کوئی صحابی کچھ روز تک مجلسِ نبویؐ میں نہیں آئے تو آپؐ خود ملاقات کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ایک مرتبہ آپؐ ایک صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

اُن کو بٹھا کر خود اُن کے سامنے بیٹھ گئے۔

عام رحم و کرم اور محبت و شفقت پہلے ہی بنا چکا
صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کسی خاص قوم اور مخصوص
فرقہ ہی کے لئے نہیں تھی بلکہ رحم و کرم کا وہ بحرِ بیکراں تھا جس سے
بلا تخصیص مذہب ملت پوری خلقِ خدا سیراب ہوتی تھی۔ چنانچہ
”وَمَا ارْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ کی تفسیر آنحضرتؐ کی وہ علی
زندگی ہے جس کے زریں نقوش سے تاریخِ انسانی آج تک
تابناک ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے
ہیں ایک اعرابی شخص نماز میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ پہلے نماز پڑھنا
ہے اس کے بعد خدا کے حضور میں اس طرح دست بدعا ہوتا ہے
اللہم ارحم منی و محمد ولا ترحم صحنہ (ابوداؤد و کتاب الصلوٰۃ)
یعنی اے خدا مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہماری رحمت
میں کسی بادر کو شریک نہ کر۔

رحمتہ للعالمین کی جبینِ مبارک پر بل پڑ جاتے ہیں
اور نہایت ہی ناگوار لہجہ میں اس کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا
لقد تحجرت واسعا (تم خدا کی وسیع اور عام رحمت کو
تنگ کیوں کرتے ہو؟)

(۲) آپ احکامِ ربانی کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ مکہ کے بعد
طائف کی سرزمین کو خدائے وحدہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو
بلانے کے لئے تبلیغی سفر ہوتا ہے۔ وہاں چمپکر اللہ رب العالمین
کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا اعلان فرماتے ہیں۔ اور طائف کے
لوگوں کو خدا کے آخری اور صحیح دین کی طرف دعوت دیتے
ہیں۔ مگر بدبخت قوم اس پیغمبر حق و صداقت کا استقبال اینٹوں
اور پتھروں کی بوچھاڑ سے کرتی ہے۔ لیکن خدا کا یہ آخری پیغمبر
ان سب چیزوں سے بے پرواہ اپنے مشن کی تبلیغ میں مصروف

کی بدزبانی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے ملنا جلتا چھوڑ دیں)

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کی کوئی بات طبع لطیف
پر گراں گزری ہے یا کسی کی کوئی نازیبا حرکت مزاج کے خلاف
ہو گئی تو اپنے اُسے بھی برسرِ مجلس، لوگوں کے سامنے برا بھلا نہیں
کہا بلکہ آپؐ کی خلوت میں اس کو سبھاتے یا کسی دوسرے
فرماتے کہ اس کو تنبیہ کر دیں۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے
روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ کی مجلسِ مبارک میں ایک
صاحب حاضر ہوئے۔ انہوں نے زرد رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے
آپ کو یہ رنگ ناگوار گذرا۔ مگر آپؐ نے ان کو اس وقت کچھ نہیں
فرمایا۔ جب وہ مجلس اٹھ کر چلے گئے تو اپنے کسی دوسرے
صاحب سے ارشاد فرمایا کہ اُن سے کہنا جلائے کہ وہ اس رنگ کو
دھو ڈالیں۔

حضرت ابودرغفاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک
مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی خدمت میں بلا
بھیجا۔ لیکن اتفاق سے اس وقت میں گھر پر موجود نہ تھا۔ جب
مکان آیا تو معلوم ہوا کہ بارگاہِ رسالت میں طلب کیا گیا تھا۔ میں
فوراً بھاگا ہوا خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضورؐ لیٹے ہوئے
آرام فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔
اوس مجھے پکڑ کر اپنے سینہ مبارک سے لگا لیا۔ (ابوداؤد شریف)
ایک مرتبہ مجلسِ نبویؐ منعقد تھی تمام صحابہ اپنی اپنی جگہ پر
بیٹھ ہوئے تھے۔ تو اس درمیان میں آنحضرتؐ کے رضاعی والد
آئے۔ آپؐ نے اپنی چادرِ مبارک کا ایک حصہ اُن کے لئے بچھا دیا۔
اور اُن کو اس پر بٹھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد رضاعی ماں آئیں آپؐ
نے اُن کے لئے بھی ایک حصہ چادر کا بچھا دیا۔ اُس پر وہ بیٹھ
گئیں۔ پھر اُس کے بعد رضاعی بھائی آئے اب چونکہ جگہ نہیں تھی
اس لئے آپؐ اپنی نشست سے اُٹھ گئے۔ اور اپنی جگہ پر

جاں نثار آپ کو اپنے گھرے میں لیے ہوئے ہیں۔ کفار کے طوفان کی طرح آنے والے تیروں اور نیزوں کو بڑھ بڑھ کر اپنے سینوں پر روک رہے ہیں جسموں کو پھیلنے بنائے جا رہے ہیں۔ لیکن کوشش یہ ہے کہ خود فنا ہو جائیں مگر اس حسن انسانیت کو ذرا سی تکلیف نہ پہنچنے پائے مگر ایک کا فریاب بھر پور دارندار کا کرتب ہے کہ خود "تک کٹ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی چند کڑیاں چہرہ مقدس میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ ایک اور کا فر عقبہ پتھر کا ایسا نشانہ کرتا ہے جس سے چند دندان مبارک شہید ہو جاتے ہیں۔ اسی درمیان میں، یہ رحمتِ دو عالم (فداہِ رومی) ایک گہری کھائی میں گر جاتے ہیں جو اسی ناپاک مقصد کے لئے بنائی گئی تھی۔ خون کی ایک چادر ہے جو چہرہ اور پر پھیلی ہوئی ہے۔ تمام جسم خون سے شربابور ہے۔ مگر اس رحمتِ دو عالم کو نہ اپنے زخم کی فکر ہے اور نہ تکلیف کا احساس، بلکہ اب بھی کوشش فرما رہے ہیں کہ مقدس خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گر جائے جس کے سبب پوری قوم عذابِ خداوندی کا شکار ہو جائے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ میں ضبط کیا یا را نہیں ہے جاں نثار یہ چین ہیں۔ اور عرض کر رہے ہیں یا رسول اللہ! آپ اس بد بخت قوم کے لئے بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ جو اپنے حسن کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کر رہے ہیں؟ لیکن.... نہیں۔ یہ رحمتِ دو عالم ہیں شفقت و محبت کے پیکرِ اعظم ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں دنیا کے لئے باعثِ عذاب بنا کر نہیں

آتا را گیا ہوں۔ میں تو تمام عالم کے لئے سراپا

رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

اور لسانِ مقدس پر دعائے کلمات جاری ہیں اللہُمَّ
اهدِ قومی فاطمہ لاجلہم۔ (اے خدا، میری قوم کی ہدایت
فراؤ مجھے پہنچانتی نہیں۔)

کیا انسانی تاریخ کا کوئی واقعہ اس عظیم رحم و کرم
کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے؟

ہے۔ غنڈوں کی پارٹی، بچوں کا مجمعِ جناب سرکارِ دو عالم کے
پیچھے پیچھے ہے اور اس طرح سے ہے کہ آپ پر (فداہِ امی دانی)
پتھروں اور اینٹوں کی بارش کی جا رہی ہے۔ آپ کو لٹوڈ بالٹہ پاگل
سمجھ کر تھیلیاں بجا کی جا رہی ہیں۔ آواز سے کہے جا رہے ہیں سرکارِ
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام بدن لہو لہان ہو گیا ہے جس پر اطہر
سے خون کے فوائے جا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ غلین مبارک مقدس
خون سے بھر گئے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر زمین کانپ اٹھتی ہے آسمان
تھرا جاتا ہے فرشتوں کی صفوں میں بے چینی پھینی ہوئی ہے۔ صلیک
الجبالی (پہاڑوں پر معمور فرشتے) خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے
ہیں اور عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ! آسمان کو تاب نکل رہا نہیں
کہ آپ کی یہ حالت دیکھ سکے، زمین میں طاقت نہیں کہ آپ کے مقدس
خون کو جذب کر سکے۔ یا رسول اللہ! اجازت مرحمت فرمائیں کہ
ان دونوں پہاڑوں کو جو طائفے اطراف میں ہیں اس طرح ملا دیا
جائے کہ پوری بستی اس میں پس کر تباہ و برباد ہو جائے تاکہ ان کو
معلوم ہو جائے کہ خدا کے ایک مقدس پیغمبر اور محبوب نبی کے ساتھ
بدسلکی اور ظلم و ستم کرنے والی بد بخت قوم کا کیا انجام ہوتا ہے؟

مگر.... نہیں.... یہ پیغمبرِ رحمت ہیں۔ انتہائی شفقت کا
مقام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے میں دنیا کے لئے باعثِ عذاب بنا کر
نہیں آتا را گیا ہوں۔ میں تو دنیا کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں
اگر آج یہ لوگ میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں۔ تو کیا ہوا؟ ہو سکتا ہے
کہ آئندہ مسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو خدا کی رحمت سے نورِ
ایمان کی دولت سے نوازے جائیں۔!"

دس جنگِ اُحد کا میدان کارزار اگر گرم ہے گھسان کارن چڑ رہا ہے
چند مسلمانوں کی کڑا کی لٹریش کی وجہ سے نتیجہ مسلمانوں کے خلاف نکلا
چاہتا ہے۔ اس اثنا میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کناروں کے
نرنے میں مگر جاتے ہیں۔ چاروں طرف کفار اس رحمتِ دو عالم پر
تیروں اور نیزوں کی بارش کر رہے ہیں۔ ابوظہر ۲۸ اور چند دوسرے

مصطفیٰ سبائی دمشق

اجتماعی زندگی میں افراد کا حصہ

مترجم مولانا عبدالغفار حسن

سے روشناس کرتے۔ اسی حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ اور دنیائے دیکھا کہ ان تربیت یافتہ لوگوں نے کس طرح دنیا کی کایا پلٹ دی۔ آج تاریخ میں جو ان کا مقام نظر آتا ہے کیا یہ مقام کسی اور کو بھی حاصل ہوا ہے؟ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لانے کی جو سعادت ان کو حاصل ہوئی ہے کیا اس کا نمونہ کسی دوسری قوم میں بھی مل سکتا ہے؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حکومتوں کی بنیاد ڈالی۔ مدنیت اور شہریت کی راہ ہموار کی جہالت کے پردے چاک کئے۔ اور علم کی طلب میں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ اور ان کی زندگی میں ایک نیا فکر اور ایک نئی توانائی پیدا کر دی یہ وہی لوگ تھے جن کی قوت ارادی مضبوط تھی اور جن کے اخلاق صحیح بنیادوں پر استوار تھے۔ ان کی زندگی نفع اور اخلاقی خرابیوں سے پاک تھی۔

فرد کی اصلاح کے یہ معنی انہیں ہیں کہ عام معاشرے کی ترقی کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دی جائے۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ جب تک معاشرے کو چلانے والے افراد تیار نہ ہوں گے معاشرے کی گاڑی کیسے حرکت میں آ سکتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک موٹر اپنی صحیح رفتار پر چلنے کے لئے اپنے چھوٹے سے چھوٹے پُرزے کی محتاج ہے لیکن ساتھ ہی ایسے ڈرائیور کی ضرورت ہے جو ان پُرزوں کی دیکھ بھال بھی کرے۔ اور گاڑی کو صحیح طور پر چلانے کا ماہر بھی ہو۔

افراد سازی کے لئے تعلیم کا ہیں اور عبادت خانے قائم کئے جاتے ہیں۔ اسی غرض کے لئے جمعیات اور مجلسیں قائم ہوتی ہیں۔

اسلام ہی ایسا دین ہے جس نے تمام مذاہب ادیان سے زیادہ اجتماعی زندگی کو پاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُس نے زندگی کے صرف ایک پہلو کو نہیں لیا ہے اُس نے مادی اخلاقی، اجتماعی اور روحانی ہر لحاظ سے قوی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بھی اس طرح پر کہ ہر شعبے کا دوسرے شعبے سے گہرا تعلق اور رابطہ ہے۔ صحیح اسلامی معاشرے میں آپ دیکھیں گے کہ ایک مسلم ہر لحاظ سے توانا اور صحت مند نظر آئے گا۔ اس کی روح بھی باہمت ہوگی۔ اس کے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں گے۔ اس کا ظاہری جسم بھی قوت و توانائی سے مالا مال ہوگا۔ یعنی یوں سمجھ لیجئے کہ مومن ہر لحاظ سے قوت و صحت کا نمونہ ہوگا۔ اس بارے میں آنحضرت کا ارشاد کس قدر اثر انگیز ہے آپ نے فرمایا۔

المومن القوی خیرٌ و احبُّ الی اللہ من المومن الضعیف
(قوی و توانا مومن اللہ کو کمزور اور ناتواں مومن سے زیادہ محبوب اور بہتر ہے۔)

اسوۂ رسول ص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تیرہ سال قیام پذیر رہے۔ وہاں آپ نے افراد کی سیرت سازی میں اپنی پوری قوت صرف کی۔ اس طرح پچھ سیوں میں ایسے افراد تیار ہو گئے جو آگے چل کر صحیح معاشرہ اور صالح مدنیت کی بنیاد بن سکے۔ ابو بکر، عمر، علی اور عثمان امدان جیسے برگزیدہ صحفرا ہی تھے جنہوں نے ایک پاکیزہ معاشرے کی بنیاد ڈالی۔ ایسے ہی حضرات کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی پہاڑیوں میں بیٹھے، دارِ ارقم میں جمع ہوتے اور ان کی ہمتوں کو بلند کرتے۔ اور ان کے نفوس کو صیقل فرماتے۔ اور ان کے اخلاق کو تزکیہ و تہذیب

جمعہ نے انسانیت کو گھیرا ہوا ہے۔ خود غرضی، انانیت اور اخلاقی جہانم نے نہاہ کاری پھیلائی ہوئی ہے۔ یہ دکھوں کی باری دنیا دنیا مساجد کے شفاخانوں سے ہی آرام و راحت اور صحت و توانائی حاصل کر سکتی ہے۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو حکم دیتے اور حنایا بلال دے دے بلال اذان دے کر نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ۔ ایسا پر مغز اور معنی خیز کلام آنحضرت جیسے معلم اکبر ہی کی زبان مبارک سے نکل سکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز کے لئے پکارتے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔ اذا حزبه امر بالصلوة

ابراہیم بن ادھم جن کا شمار بڑے بڑے زہاد میں ہوتا ہے فرمایا کرتے تھے کہ جب میں رات کو اپنے رب سے سرگوشی کرنے کے اٹھتا ہوں تو ایسی لذت اور مسرت حاصل ہوتی ہے کہ اگر دنیا کے سلاطین کو اس کا علم ہو جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے ہم سے جنگ کے بغیر نہ رہ سکیں۔ یہ راحت، یہ لذت، اندر سکون و اطمینان وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ آج کی مریض دنیا اس کی انتہائی محتاج ہے۔ ہمارا معاشرہ جس کو مختلف بیماریوں اور غموں نے پریشان کر ڈالا ہے اس کے بغیر دنیا اور آخرت کی سعادت سے ہم گناہیں ہو سکتا۔ آخروں ملت کے ہر فرد سے میرا خطا ہے کیا تم نے کبھی عبادت کو صحیح طریقے پر ادا کر کے لذت و مسرت کی یہ کیفیت حاصل کی ہے جس سے روح کو شادمانی حاصل ہوئی ہو اور اخلاق صحت و توانائی سے مالا مال ہو گئے ہوں۔ اگر ایک تم نہیں کر سکتے ہو تو آج ہمت کر کے اٹھو اور اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اپنے رب سے یہ سرگوشی تمہارے دل کو پاکیزہ اور نہاری سیرت کو بہترین اخلاق سے ہمراہ کر دے گی۔ (ماخوذ)

افراد کی اصلاح کے لئے مدرسہ اور مسجد اور اجتماعی ادارے سب کی ضرورت ہوتی ہے مسجد میں فرد کی روح غذا پاتی ہے۔ مدرسے میں عقل کو تروتازگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اجتماعی اداروں میں اخلاق کو سنوارنے اور بنانے کا موقع ملتا ہے۔ ان میں سے ہم کسی سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مسجد ہو یا مدرسہ جمعیت ہر ایک مجلسی زندگی ہر ایک کا انتہائی کردار بنانے میں بڑا حصہ ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرد کو بنانے کے لئے سب سے پہلے مسجد ہی مؤثر ذریعہ بنتی ہے۔ اسلامی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا وہ کام جس کا تاریخ کا مروج پلٹ دیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ یہی وہ کاوش تھا جہاں ہمیشہ رہنے والی انسانی اصلاح کے غلبہ دار تیار ہوتے تھے۔

ابوبکر، خالد، سعد، علی اور عمر بن الخطاب یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسجد نبوی کی درس گاہ میں تسلیم حاصل کی۔ حقیقت میں یہی وہ مرکز تھا جہاں سے یہ روشن ستارے اپنی پوری تابانی سے تیار ہو کر نکلے اور ساری دنیا کی ہدایت کا باعث بنے۔

قرون وسطیٰ میں جن درس گاہوں نے علم و تمدن کی بنیاد ڈالی ان کی ابتداء بھی مسجد سے ہوئی تھی۔ یہ مساجد ایسی درس گاہیں تھیں جن کے کھلے صحنوں میں دن کے وقت طلبہ تعلیم حاصل کرتے اور رات کو ان کے کمروں اور بالا خانوں میں اپنا سیرا لگاتے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مدینہ، قرطبہ، ازہر اور اموی مسجد کے سٹون ان علماء کے لئے مسند کا کام دیتے تھے۔ جن کے گرد طلبین حق کا جھگڑا رہتا تھا۔ قرطبہ کی مسجد میں ہزاروں سٹون تھے۔ اور ہر سٹون کے ارد گرد کوئی نہ کوئی عالم طالیان علم کے لئے مرکز بنا ہوا تھا یہ حقیقت ہے کہ جتنا حصہ سیرت کی اصلاح میں مسجد کو حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آج آپ دیکھتے ہیں کہ افکار و رسوم کا ایک طوفان ہے۔ مصائب و حوادث کا ایک سیلاب ہے

اسلامی سیر و کردار کی بنیادی خصوصیت

(۳)

اس کے رسولؐ نے ایک طرف تو زبان کے متعلق بڑی تفصیل سے تنبیہ کی اور دوسری طرف تعلقات کے دائرہ میں وہ ایک ایک چیز جو خرابی و فساد کا سبب بنتی ہے اس کی نشاندہی کر دی اور اس سے روک تمام کی تمایز کریں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو بتایا کہ مَا لِيْفِظْ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لِيَدْلِيْهِ كُنْىٰ بَاتٍ مِّنْهُنَّ نَكَلَتْىٰ مَكْرَاسٍ رَّقِيبٍ عَنِيْدٍ کے پاس ایک نگران حاضر ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مختلف نصیحتیں کرتے ہوئے آخر میں اپنی زبان پر لڑکر فرمایا۔

كُفْتُ عَلَيْكَ هَذَا (تیرے اوپر لازم ہے کہ اس کو روکے رکھ) انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس کے بارے میں بھی قابل مواخذہ ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔

ثَكَلْتُكَ اَمْثَلَكَ هَلْ يَكْتُبُ النَّاسُ تِىْرِى مَا لَمْ تَحْجِزْ كُوْنُيْنِىَ۔ زبان کی علی وجہ ہم الاحصاء السنن ہم کتروں کے علاوہ اور کیا چیز ہوگی تندی عن معاذ بن جبل رباح الصالحين جس کی بنا پر لوگ منہ کے بل آگ میں گریں گے۔

سفیان بن عبد اللہ نے سوال کیا کہ میں اپنے بارے میں کس چیز سے زیادہ ڈروں آپؐ نے اپنی زبان پر لڑی اور کہا کہ "اس سے"

بد کلامی اور بُرا بھلا کہنا | اپنے بھائی کو منہ پر بُرا بھلا کہے یا اس سے سختی سے گفتگو کرے۔ اور اس پر طعن و تشنیع کرے بالکل ناجائز ہے۔ اسی طرح بُرے نام سے بکا زنا بھی اس کے تحت آتا ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہل ہے کہ

جسم و جان کا تحفظ | عزیز اور قیمتی اس کے جسم و جان ہوتے ہیں اور وہ ایسے شخص کو کبھی اپنا بھائی نہیں سمجھ سکتا جو اس معاملہ میں کوئی تجاوز کرے۔ لہذا اس ناحق خون سے سخت ترین انداز میں روکا ہے۔

وَمَنْ يَفْتُلْ مَوْمِنًا مَّتَعِدًا اور چمکے قتل کرے مؤمن کو فخر اءہ حجتہ خالداً فیہا قصداً پس اس کی جزاء ہے جہنم و غضب اللہ علیہ ولعنه ہمیشہ اس میں لے گا اور غضب ہوا واعد له عذاباً عظیماً اس پر اور لعنت کی اس پر اور تدارک کیا اس کے لئے عذاب عظیم۔

حجۃ الوداع کے موقع پر بڑے مؤثر انداز میں اپنے مسلمانوں پر ایک دوسرے کی جان اور مال اور آبرو و حرام قرار دیا اور پھر کہا "دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو"

اس طرح ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا۔
سبب المسکر فسوق و قتالہ مسلمان کو گامی دینا فسق ہے اور کفر دمشق علیہ عن ابن مسعود اس سے رطنا کفر۔

(شکرۃ ص ۱۱)

ہاتھ سے زیادہ زبان کا معاملہ تعلقات میں بڑا نازک ہوتا ہے۔ یہ ہزار راستوں سے فتنے پیدا کرتی ہے۔ اور ہر فتنہ اپنا پیچیدہ کہ اس کا مادہ بھی بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے فتنوں کے آگے بند باندھ دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اور

تم نفرت کر دگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ غیبت کی حقیقت بتاتے ہوئے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ غیبت کیلئے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا۔

ذکرِ کثِ احکامِ بامائیکہ
غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس
طرح کرو جو اس کو ناپسند ہو۔

تو کسی نے عرض کر دیا کہ یا رسول اللہ
افراہیت ان کا ن فی اخی ما اقول کہ اگر وہ برائی جس کا ذکر کیا جائے
میرے بھائی موجود ہو (تو کیا پھر
بھی ذکر کرنا غیبت ہے)

اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔
 ان كان فيه اغتبتہ وان اگر تو نے غائبانہ طور سے ایسی برائی
 لم یکن فیہ ما نقول فقد بھتہ بیان کی جو واقعہ میں اس میں موجود
 (مسلم عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص ۱۲۱) ہو تو یہ تو نے غیبت کردی اور اگر
 وہ اس میں موجود نہ ہو تو پھر تو تو
 نے بہیمانہ لگایا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی عزت دابڑہ اس کی متقاضی ہے۔ کہ اس کے بھائی اس کے پیٹھ پیچھے اس کو بُرے الفاظ سے زیادہ کرے۔

سُچل خوری | غیبت کی ایک مخصوص شکل سُچل خوری ہے قرآن مجید اس کی بُرائی یوں بیان کرتا ہے۔

ہمارے مشاءِ یحییٰ
لوگوں پر آواز سے کہنے والا اور
چنیاں کھانے والا

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جیسا عورتِ کافر جنت میں نہ جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو خاص طور پر

وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
الْأَسْمُ الْمُسَوِّقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ مَتَّيَاذْكُرُوا
(محرمات) ہر نام ہے بدکاری و
نافرمانی ایمان لانے کے بعد
اسی طرح اپنے منہ سے

لا يدخل الجنة المجاوز
الجمعظري
کون بدخو اور سخت گردمی جنت
میں داخل نہ ہوگا۔

(ابوداؤد دیہقی عن حارث بن ہشام) یہ بھی فرمایا کہ تیامت کے روز میرے
 ان الجحشکم الیّ والبعثکم منّی مجلساً یوم القیامۃ
 مجھ سے زیادہ دور کجاں کرنے والے
 الثراثرون والمتشدقون
 (ترمذی عن جابر مشکوٰۃ) اور علم کے جھوٹے مدعی و متکبرین
 میں گئے۔

ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذي
اور یہ بھی فرمایا کہ مومن نہ تو طعنے
دینے والا مقابہ نہ لعنت کرنے
والا نہ فحش کہنے والا نہ زبان دھار
(ترمذی دہبقی عن ابن مسعود مشکوٰۃ ص ۳۳۴)

غیبت ایک دوسرا فتنہ غیبت ہے۔ اور یہ پہلے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انسان اس میں اپنے بھائی کو سامنے نہیں بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے بُرا کہتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے دفاع پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے غیبت کرنے کو اپنے بھائی کے مُردہ گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ فرمایا:-

وَلَا يَخْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُّبُ: اور نہ کوئی تم میں سے کسی کی غیبت
أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ كَرِهَ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا
مَتِيًّا فَكَيْفَ تَهْتَمُونَ؟ ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا
(حجرات ۱۳)

علیٰ ان یکن خیراً ممنہن سے شید کہ وہ بہتر مومن ہے۔

(احکامات)

جو شخص اپنے صلہ بھائی سے تسخر کرتا ہے آخرت میں اس کے انجام کی بڑی عبرت ناک تصویر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کھینچی ہے۔

ان المستہزئین بالناس یفتح لہم کافراً لہم فی الآخرة باب من کئے قیامت کے دن جنت کا ایک الجنة فیقال لہ ہلم فیجئ دروازہ کھولا جائے گا۔ اے اے بکرہ وغیرہ فاذا جاءہ جائیگا تشریف لائیے۔ وہ غم کے اعلیٰ دوزخہ شمع یفتح لہ ساتھ آئیگا اور جیسے ہی دروازہ تک باب آخر فیقال لہ ہلم پہنچے گا اس پر دروازہ بند کر دیا جائیگا فیجئ بکرہ وغیرہ فاذا جاءہ جبر کس پر دروازہ کھولا جائیگا اعلیٰ دوزخہ خایزال کذا لک کہ آئیے آئیے تو وہ اپنے مصائب ان احدہم لیفتح لہ الباب الہ کے ساتھ آئیگا جو نبی وہ قریب من ابوالجنة فیقال لہ ہلم پہنچے گا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ ضایا تہ من الیاس یہ سدا کی طرح جاری رہے گا۔ یہاں (یہ بھی عن حسن۔ جوہر رسالہ ص ۱۰۷) تک کہ جب کسی کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آؤ۔

تو وہ یا کسی کے سبب وہاں آئے

اور داخل ہونے کی ہمت نہ کرے گا۔

تسخیر کی ایک شکل یہ ہے کہ دوسرے انسان کے عیوب کی نقل اتاری جائے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نقل اتاری تو آپ نے سخت ناپسند کیا اور فرمایا

ما احب ان حکیت احدی میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں اذ ان لی کذا اذ کذا کرتا۔ اگرچہ مجھے یہ ادیر دے دیا (ترمذی عن عائشہ مشکوٰۃ ص ۱۰۷) جائے۔ (یعنی کوئی بھی دنیوی نعمت)

تفسیر سمجھنا

جو چیز دل میں موجود رہتی ہے۔ اندھا دہی اس طرح پرگالی دینے، عار دلانے، چیل خدہ

کرنے اور غیبت کرنے اور تسخر اڑانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو اپنے سے حقیر سمجھتا ہو اس کیفیت کے بعد آدمی کو جرأت اپنے بھائی کے حق میں اس قسم کی حرکات کرنے کی ہوتی ہے۔ درہ جس آدمی کو انسان اپنے سے بہتر جانتا ہو۔ اس سے کبھی اس قسم کی حرکات نہیں کر سکتا اس لئے قرآن نے تسخر سے روکتے وقت اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ اگر انسان یہ سوچ لے کہ اس کا بھائی اس سے بہتر ہو سکتا ہے تو وہ کبھی اس کا مذاق نہ اڑائے۔ (علیٰ ان یکنوا خیراً ممنہم)

ایمان و تقویٰ کے ساتھ ایک مومن و مسلم بھائی کے لئے حقارت یا اس کو کم اور ذلیل سمجھنا کبھی جہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ہر آدمی کے عیوب و شرک کا معیار تقویٰ ہوتا ہے جس کا اصل فیصلہ بہر حال آخرت میں اللہ کے درمیان ہوگا چنانچہ دنیا میں اپنے مسلمان کو کم سمجھنے کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ شخص ابھی ایمان کی اصل کو ہی نہیں سمجھتا ہے۔ رسول اللہ نے ایک بڑی معنی خیز حدیث میں یہ بتاتے ہوئے کہ تقویٰ دراصل قلب میں ہے۔ فرمایا کہ ایک آدمی کی ہلاکت کیے یہ بات کافی ہے۔

بحسب ما مرئی من الشران ایک مسلمان کے شر پر ہونے کے یحقر احاء المسلم یعنی یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے (مسلم عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ص ۱۰۷) مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

ایک دوسری آیت میں حضور نے یوں نصیحت فرمائی۔ لا یخذلہ ولا یحققہ گوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ تو تذلیل کرے اور نہ تحقیر۔

ایک دفعہ اپنے یہ فرمایا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اور پھر ایک شخص کے سوال کے جواب میں تکبر کی تشریح یوں فرمائی ہے۔

بطرح الحق وعظ الناس تبکیر سے حق کو رد کرنا اور لوگوں کو
(مسلم عن ابن مسعود مشکوٰۃ ص ۲۳) خیر سمجھنا۔

حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث میں تین نجات دینے والے
اور تین ہلاک کر دینے والے امور بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

واعمال طمع بنفسہ وہی اشدھن ہلاک کر دینے والی چیز اپنے آپ
(دیلمتی عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ص ۲۳۲) کو بزرگ و بزرگ سمجھنا ہے۔ اور یہ
بدترین عادت ہے۔

آج کے معاشرہ میں نہ صرف اپنے رفقاء کے ساتھ بلکہ
عامۃ المسلمین کے ساتھ اپنے معاملات میں تحریک کے کارکنوں کو
اس پہلو سے خاص احتساب کرنا چاہئے۔

ظن بدنی ظن کی بیماری ایسی بیماری ہے جو باہمی تعلقات کو
بدنی گھن لگا دیتی ہے اور دیکھ کر طرح چاٹ جاتی ہے
ظن کا لفظ معروف معنی میں ایسے خیال کے لئے بولا جاتا ہے جو بغیر
واضح شہادت یا دلیل کے قیاساً قائم کر لیا جائے جس کی پشت پر
علم نہ ہو اور اگر یہ خیال بُرا ہو تو یہ بدظنی ہے جب مسلمان اپنے
بھائی کے بارہ میں بغیر کسی علم کے بدگمانی شروع کر دے تو محبت
وہاں سے رخصت ہونے لگتی ہے۔ قرآن نے اس سلسلہ میں اس
طرح نصیحت کی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا أَلَاءَ إِيْمَانٍ دَالٍ بِهِتْ كَمَا نَفَعُ
كثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَصِيَ الظَّنِّ بِجَوْ كَبُفْ كَمَا نَفَعُ
اَشْمُ (حجرات)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں
کو اس بارہ میں یوں نصیحت کی۔

ایاکم والظن فان الظن کذب تم ظن سے احتراز کرو اس لئے
الحديث کہ ظن بدترین جھوٹی بات ہے
بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ص ۲۳۲

ظن سے بچنے کا سب سے اہم تقاضا ہے کہ آدمی اپنے

بھائی کی نیت کے بارے میں کبھی کوئی بُری بات نہ کہے اور نہ
سوچے اس لئے کہ نیت ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کبھی کوئی
واضح علم نہیں ہو سکتا یہ ہمیشہ قیاس ہی ہو گا پھر اس بارے میں اگر
چند باتیں پیش نظر رکھی جائیں۔ تو اس بیماری کا بُری آسانی سے
مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

۱) پہلی بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف ہر مسلمان کا فرض ہے
کہ وہ اپنے بھائی کی طرف سے بدگمانی نہ کرے وہاں یہ بھی فرض
ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے بدگمانی کا موقع نہ دے۔
حتی الوسع ایسی ہر بات سے احتراز کرے جو بدگمانی کا موقع فراہم
کر کے دیتی ہو۔ دوسرے کو فتنہ میں نہ ڈالنا چاہئے۔ اس کی مثال خود
نبی کریمؐ نے فراہم کی ہے۔

ایک دفعہ آپ اعتکاف میں بیٹھے تھے رات کو ازواج
مطہرات میں سے کوئی آپ سے ملنے آئی۔ آپ اُن کو واپس
پہنچانے چلے تو اتفاقاً راستہ میں دو انصاری بل گئے۔ وہ آپ
کو عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنی آمد کو بے موقع سمجھ کر واپس چلنے
لگے آپ نے فوراً آواز دی اور فرمایا۔ میری فلاں بیوی ہیں۔
انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی کے ساتھ بدگمانی کرنی ہوتی
تو کیا آپ کے ساتھ کہتے۔ آپ نے جواب دیا۔ شیطان ان کے
اندرون کی طرح دھڑکتا ہے۔

۲) اگر باوجود کوشش کے بدگمانی پیدا ہو تو پھر اس کو
کبھی دل میں نہ رکھئے۔ کیونکہ بدگمانی کو دل میں رکھنا عذر و خیانت
ہے بلکہ اس کو فوراً جا کر اپنے بھائی پر ظاہر کر دے۔ تاکہ وہ اس
کو دُور کر سکے۔ اور جس پر بدگمانی کا اظہار کیا جائے اس کا فرض
ہے کہ وہ فوراً اس کی صفائی کر دے۔ تاکہ دل صاف ہو جائے۔
چپ نہ سادھ جائے ورنہ پھر اس گناہ کا بُہت کچھ بوجھ اس کی
طرف بھی منتقل ہو سکتا ہے۔

بہستان - ایک مسلمان اپنے بھائی کو جان بوجھ کر

شاق شاق اللہ بہ شاق شاق اللہ بہ
(ابن ماجہ ترمذی) کسی مسلمان کو تکلیف میں مبتلا کرے گا

اس کو اللہ تعالیٰ تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

دل آزاری کسی مسلمان اپنے بھائی کے دل کو تکلیف پہنچائے

یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اس کے دل کو مرکز گوارا نہ کرنا چاہئے۔ ایک بھائی کے دل کو دوسرے بھائی سے کئی چیزوں کی بنا پر تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان تمام موٹی موٹی باتوں کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر قلمچاہے زندگی کے معاملات کی جزئیات میں اتنا وطبع اور مزاج بھی دلی تکلیف کا سبب بن سکتا ہے۔

اموئی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس کو کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو اس کے بھائی کے دل کو ایذا پہنچائے۔ یا جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

غیبت جیسے جرم عظیم کی بنیاد بھی یہی ہے۔ چنانچہ غیبت کی تعریف ہے کسی شخص کے بارے میں اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔ یا جس سے اس کو تکلیف پہنچے۔ اس طرح رسول اللہ نے نصیحت کی کہ جب تین آدمی ہوں تو وہ آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں۔ یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں میں مل جائیں تب ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اس حکم کی جو وجہ بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ

مَنْ أَجَلَ أَنْ يَجْزِلَهُ (مسلم عن عبداللہ بن مسعود شکوۃ ص ۲۲۲)
(اس عوف سے کہ میں وہ غیبی نہ ہو)

اگر ان آداب کی نہرست پر ایک نگاہ ڈالی جائے جو اسلام نے دیئے ہیں تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ کہ کسی مسلمان بھائی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے۔ ایک بنیادی اصول کے طور پر کا رضاء ہے۔ مسلمان کو ایذا دینا دینی نقطہ نظر سے آنا برا فعل ہے کہ رسول اللہ نے اس سلسلہ میں فرمایا۔

مَنْ أَذَى النَّاسَ فَقَدْ أَذَى حَسَنَ كَيْسَ مَسْلَمَانِ كَوَيْدِ أَدَى
اللہ (طبرانی عن اس بن مالک ترمذی ص ۱۷۱) اللہ کو ایذا دی۔

مجرم ٹھہرائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ منسوب کرے تو یہ بہتان ہے۔ اور یہ صاف صاف ایک قسم کا جھوٹ اور خیانت ہے۔ بہتان کی ایک اور بدتر شکل یہ ہے کہ آدمی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر ڈال دے اس کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے
وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا فَكَفِّرْ بِهَا غَنَاهُ أَوْ يَكْفُرْ بِهَا غَنَاهُ
شتم یدیم بہ برسیا فقد احتل اُس کی تہمت کسی بیگناہ پر
بُغْتَانًا إِثْمًا مُبِينًا۔ دھروے۔ اس نے نقصان اور
(ن ۱۶۷) کھلا گناہ اپنے سر باندھا
اسی طرح مسلمانوں کو بن گئے جھوٹا الزام رکھنے پر یہ کہا
گیلے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ جُورًا مَرْدُونَ أَوْ مَسْلَمَانِ
وَالْمُؤْمِنَاتِ الْغَيْرِ مَا أَكْتَسَبُوا عَوْرَتَيْنِ كَبْنِ كُنْ تَهْت لَكَ تَكْلِيف
فَقَدْ احْتَمَلُوا بَهْتًا تَأْوَاشًا يَهْتَلِسْتُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ بَهْتَانِ
مُبِينًا (احزاب ۷) کھلا گناہ اپنے سر لدا۔
ایک محبت بھرے تعلق میں اس کی گنجائش کہاں نہیں
سکتی ہے۔

ضرر رسانی ضرر یا نقصان کا لفظ بھی بڑا وسیع لفظ ہے لیکن اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ مسلمان اس چیز کو ملحوظ رکھے کہ اس کے بھائی کو اس کی ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ ضرر جسمانی بھی ہو سکتا ہے اور قلبی بھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی سخت انداز میں فرمایا ہے۔

مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا أَوْ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا أَوْ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا
مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا أَوْ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مَوْمِنًا

(ترمذی عن ابی بکر الصدیق شکوۃ ص ۲۲۲)

اسی طرح آپ نے یہ فرمایا۔

مَنْ ضَارَّ ضَارًّا لِلَّهِ وَدَمْنِ جَوَاسِمِ مَسْلَمَانِ كَوَيْدِ أَدَى

فریب دہی

مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو گفتگو یا معاملات میں فریب دیں۔ غلط بیانی سے کام لیں۔ دھوکا دیں یا اسے کسی غلط بات کے پیچھے ڈال دیں۔ ایک ایسے تعلق میں جہاں ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ کبھی بھی ایک شخص دوسرے کی بات کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ اور جہاں ایک آدمی کے لئے دوسرے کی بات بھی قابل اعتبار نہ ہو وہاں لطف اور محبت اور اعتماد کی طرح بھی موجود نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں اس چیز کو بدترین خیانت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:۔

قال کبریت خیائنه ان تحدث

اخا لک حدیثاً ہو لدک سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ مصدق وانت بدھ کا بڑے تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے وہ ترمذی عن سفیان بن اسد تجھ کو سچا سمجھ رہا ہو حالانکہ تو مشکوٰۃ ص ۱۳۱ اس سے چھوٹ بول رہا ہو۔

حسد | وہ ذلیل بیماری ہے جو اگر انسان کے دل میں راہ پالے تو پھر نہ صرف یہ کہ وہ قلبی تعلق کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے بلکہ آدمی کا اپنا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان پر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت مشاغل مال و دولت یا علم و فضل یا حسن و جمال کو پسند نہ کرے۔ اور یہ خواہش کرے کہ اس سے یہ نعمتیں چھین لی جائیں جس میں اپنے لئے نعمت کی خواہش پر دوسرے سے چھین جانے کی خواہش غالب رہتی ہے۔ حسد کا سبب تو کبھی بغض و عناد ہوتا ہے کبھی ذاتی فخر، اور دوسرے کی کمتری کا احساس، کبھی دوسرے کو مصلح بنانے کا جذبہ، اور کبھی کسی مشترکہ مقصد میں اپنی ناکامیابی اور دوسرے کی کامیابی کبھی صرف، جاہ طلبی اس کا سبب بنتی ہے۔ حسد کے بارہ میں نبی کریمؐ نے اس طرح تنبیہ کی ہے۔

ایاکم والحسد فان الحسد تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں

اور اس کے برعکس کسی کے دل کو خوش کرنے کی خاطر کوئی کام کرے۔ تو اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ۔

من قعی لاحد من ائمتی حاجۃ جویری ائتت میں کسی کی حاجت پرید ان یسرہ بھا فقد سرتی پوری کرے اور اس کا مقصد یہ ہو ومن سرتی فقد سر اللہ و کہ اسے خوش کرے تو اس نے مجھے من سر اللہ ادخلہ اللہ الجنة خوش کیا۔ اور جس نے مجھے خوش (بیہقی عن انس مشکوٰۃ ص ۲۵) کیا۔ اس نے اللہ کو خوش کیا۔ اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

اور یہاں پر رسول اللہؐ کی یہ بات بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ مومن تو دوسرے جو محترم محبت ہو جو شخص کسی سے محبت و الفت نہ رکھے۔ اور نہ کوئی اس سے الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی کچھ بھی نہیں۔ بل آزاری کی ایک معمولی صورت ہنسی مذاق میں پریشان کرنے کی ہوتی ہے۔ یعنی ایسا مذاق جس سے واقعی دوسرا پریشان ہو جائے۔ اور اس کے دل کو تکلیف ہو۔ ایک دفعہ آپؐ کے صحابہ آپ کے ساتھ شب میں سفر کر رہے تھے۔ جب ایک مقام پر ٹھانلہ ٹھہرا۔ تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رتی جو وہ اپنے ساتھ لے کر سو رہا تھا۔ اٹھا لی۔ اور اس طرح اسے پریشان کیا۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا یجزل لمسلم ان یروع مسلماً (مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان کرے۔)

(عن عبدالرحمن بن ابی سہیل۔ ابن داؤد ترمذی السنۃ ۲۹۵)

اسی طرح ایک دفعہ ہتھیار چھپانے کا واقعہ ہوا۔ تو

آپؐ نے منع فرمایا کہ۔

ان یدفع المومن اوان یؤخذ کسی مومن کو ڈرایا جائے اور ہنسی متاعہ لالعباً ولا لحداً میں یہ واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان (ابن عساکر عن الواقدی ترجمان السنۃ ۲۹۵) لے لیا جائے۔

یا کل الحسنيات كما تاكل
انسانا الخطيب (ابوداؤد) آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

اور یہ وہ چیز ہے جس سے قرآن نے ہر مسلمان کو پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ (حسن شائع اسناد ادا حسن)

ایک بڑی اہم ہدایت میں جس میں آپ نے ان چیزوں کو بتایا ہے۔ جس کا ترک کرنا بھائی بھائی بننے کے لئے ضروری ہے اور جس کا اہم ٹکڑا بڑی کے عثمان کے تحت گذر چکا ہے (ایا کھو والظن....) آپ نے مزید جو فرمایا۔ وہ یہ تھا کہ۔

ولا تجسسوا ولا تنابضوا کسی کے عیب کے ٹوہ نہ لگاؤ
ولا تخاسروا ولا تباغضوا کسی کا تجسس نہ کرو کسی کے
ولا تدابروا ولا تناهضوا وکونوا تجارتی معاملہ کو نہ بگاڑو۔ آپس
عباد اللہ اخواناً میں حسد نہ کرو۔ آپس میں بغض
عن ابی ہریرۃ بخاری وسلم مشکوٰۃ نہ رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے
سے بے تلق نہ رہو۔ آپس میں
حوص نہ کرو۔ اور خدا کے بستہ
بھائی بن کر رہو۔

مشہور شراح حدیث حافظ بن حجر عسقلانی اس کی شرح
میں یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ ان منہیات
کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے۔ اگر نہ چھوڑو گے تو دشمن
ہو جاؤ گے۔ پھر آپ نے اس حد و بغض کے بارے میں یہ فرمایا:-

فَبِالِیْکُمْ دَاعِیَ الْاِیْمِ قَبْلَکُمُ الْحَدِ پھل امت کی بیماریاں
وَالْبَغْضَاءُ مِنَ الْحَالِقَةِ لَا پھل امت کی بیماریاں نہایت
اقول تحلق الشجر ولكن تحلق اندر سرایت کر گئی ہیں اور یہ بیماریاں
حد و بغض ہیں۔ جو منہ ڈھینے
الدین۔

(احمد ترمذی) مشکوٰۃ ص ۴۲
والی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں
کو منہ ڈھیتی ہیں۔ بلکہ دین کا
صفایا کر دیتی ہیں۔

ان چیزوں سے روکنے کے ساتھ ساتھ جو تعلقات
میں خرابی و فساد کا سبب بنتی ہیں۔ اللہ داکس کے رسول نے ہم
کو وہ چیزیں بھی متیقن کر کے بتادی ہیں جن کا اختیار کرنا تعلقات
کے استحکام کا باعث ہوتا ہے۔ الفت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے
اور جن کے نتیجہ میں ایک دل دوسرے دل سے اس طرح قریب آتا
چلا آتا ہے جیسے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں۔ ان میں کچھ چیزیں ہیں جن
کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ بطور حقوق پیش کی
گئی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے لئے ترغیب دی گئی ہے۔
اور وہ فضائل کے درجہ میں آتی ہیں۔ مزید سیرت کی جن بنیادی
صفات کی بنیاد پر قرآن اور حدیث سے ہم کو کوئی ہدایت ملتی ہے
جن میں سے ہر ایک کی روح تو ان ہی صفات کی ہے۔ ان کو
علیحدہ سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اس لئے لطف و محبت کی فضا
کو پر دان چڑھانے کے لئے ان میں سے ہر چیز اہم ہے۔
(باقی آئندہ)

بہ حضور باری تعالیٰ

عرض نیاز

الہی مجھ کو بنیائی عطا کر
خدا کی کو نعمات شای عطا کر
مری دنیا تنگ جلوہ ہے یارب
اسے حد سن رعنائی عطا کر
لب قلہم کہ سوت دیکھا
مے قطروں کو بہنا عطا کر
نکار عقل کی انسردگی کو
جنوں کی عشرہ فرما
میں نہنگاموں سے اب اکتا گیا
مجھے غفل میں تنہائی عطا کر
طبیعت ہو جو غواص معانی
تو در فکرت آرائی عطا کر

تخیل کو بلندی کی سند دے

تفسر کو تو انائی عطا کر (از جناب)